مولانا آزاد لائبریری

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

ڈاکٹر رام بابو سکسینہ کلکشن

(عطیہ: مسز آفتاب سکسینہ)

U 32700

title - Hayat Javedani Maroof Ba Hayat Tasleem kamil.

Creator - Zameer Uddin Arsh.

Publisher - Urdu Press (Aligarh)

Date - 1911

Pages - 96

Subject - Tasleem Lucknavi, Sheikh Ameer ullah - Sawaneh-o-Tanqeed, Sawaneh-O-Tanqeed - Tasleem Lucknavi

حیاتِ جاودانی

معروف بہ حیاتِ تسلیم کامل

یعنی

ملک الشعرا چراغ خاندانِ مومن و نسیم جناب شیخ امیر اللہ مرحوم تسلیم
لکھنوی کی مکمل اور با تصویر سوانح عمری جسکو بعد ترمیم و تصحیح حیاتِ تسلیم
مطبوعہ لاہور جناب مولانا مولوی ضمیر الدین احمد صاحب عرشؔ مقیم گیا
تلمیذ جنابِ تسلیم نے تالیف فرمایا

اور

سید فضل الحسن حسرت موہانی۔ بی۔ اے ایڈیٹر اردوئے معلیٰ نے
اپنے

اردو پریس علی گڑھ میں
چھاپا اور شایع کیا

قیمت فی جلد (؟ کاتب محمد منظور الحق کولوی عفی عنہ) ۱۰ر مع محصولڈاک

تصانیفِ مولانا عرشؔ مدظلہٗ

۱۔ دیوان نظم نونگار۔ جو مجموعہ بہار ہے۔ معہ ضمیمہ متروکات رشک جسمیں جملہ اقسام کی نظمیں موجود ہیں۔ اور جسکی بابت میر خورشید علی نفیس خلف انیس۔ مرزا جعفر صاحب اوج خلف دبیر۔ علامہ حضرت شمشاد۔ حضرت امیر مینائی۔ داغ۔ ملک الشعراء تسنیم وغیرہ نے اپنی تقریظوں اور تاریخوں میں لکھا ہے کہ یہ کتاب بلحاظ زبان پورب کی بو باس سے پاک ہے۔ نازک خیالی۔ بلند پروازی درد انگیزی میں اپنی آپ نظیر۔ عرصہ سے مرتب ہو کر تیار ہے اور معتبر مطبع کو اسکا حق تصنیف دیا جا سکتا ہے۔

۲۔ بارگاہ سلطانی۔ آگرہ اور دہلی کی مفصل تاریخ۔ اسکی تحریر کسی حالت میں آب حیات سے کم نہیں بلکہ درد انگیزی میں بڑھی ہوئی ہے شاید اس آب و رنگ کی صحیح تاریخ اردو زبان میں اسوقت تک مطبوع نہیں ہوئی پھر زیادہ طول نہیں۔ اسکا معاملہ بھی بہ شرط صد ہزار طے ہو سکتا ہے صاحبان مطبع ان نادر کتابوں کو ہاتھ سے جانے نہ دیں۔

المشتہر سید صلاح الدین احمد خلف حضرت عرشؔ۔ گیا معرفت گنج

امیر مینائی مرحوم کی سوانح عمری داغ و امیر کے کلام کا موازنہ اور امیر مرحوم کے مکتوبات

جسکا تاریخی نام خطوط منشی امیر احمد ہے۔ مولوی محمد احسن اللہ خان ثاقب نے تالیف فرما کے پہلے ایڈیشن کا حق طبع راقم کو عطا کیا ہے۔

کتاب کا حجم ۳۰۰ صفحوں سے زیادہ ہے اور شروع میں امیر مرحوم کی عکسی ہاف ٹون تصویر بھی لگائی گئی ہے قیمت علاوہ محصول ڈاک عہ ایک روپیہ آٹھ آنہ

اس مجموعے کی مولانا شبلی۔ مولانا حالی۔ مولوی سید علی حیدر صاحب طباطبائی نظم لکھنوی۔ شاد عظیم آبادی۔ امیر احمد صاحب علوی اور حسرت موہانی وغیرہ نے بہت کچھ تعریف کی ہے۔ کتاب کے آخر میں ان لوگوں کی تقریظیں بجائے خود قابل دید ہیں۔

ملنے کا پتہ

شوکت بلگرامی۔ بوساطت ایڈیٹر اردوی معلیٰ علی گڑھ سٹی



یادگار مومن و نسیم منشي اميرالله صاحب تسليم لکھنوي (مرحوم)

Block by the courtesy of
The Editor, "Adeeb," Allahabad.

Indian Press, Allahabad.

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تمہید

ہم تو کل خواب عدم میں شبِ ہجراں ہونگے
تو کہاں جائے گی کچھ اپنا ٹھکانا کر لے

وہ مبارک رات جس کی دلکش محفل کے فرش پر شاہد جاتے تھے۔ درد، مومن و تسلیم سے اساتذہ جلوہ افروز تھے گذر چکی۔ صبح کے آثار ظاہر ہو گئے۔ لو وہ تارے بھی جو ابھی آنکھوں سے اس پرلطف نظارے کو دیکھ سکے ہیں ذرا دیر پہلے تک تھے اب وہ بھی ڈھونڈھنے پر کہیں نظر نہیں آتے۔ ہاں ایک جھلملانے والی شمع البتہ اس پرشکن فرش پر باقی ہے اور اس ازار رونے والی کو نسیم کے فنا کرنے والے جھونکے گھیرے ہوئے ہیں شاید کوئی دم میں یہ بھی مرتے پتنگوں کو روپیٹ کر رخصت ہو جائے۔ اس سناٹے کے وقت میں گریہ کا تھم کر چپ چاپ بیٹھنا بھی صدمۂ جانکاہ اور ماتم سے کم نہیں۔

ناظرین۔ صبح کا وقت سیر باغ کے لیے قدرتی طور پر موزوں ہے۔ آؤ ہم بھی چمنستانِ نظم کی سیر کریں۔ دیکھو تو سہی سرو کیوں عالم تحیر میں کھڑا ہے سنبل کو پیچ و تاب تو نرگس کو حیرت۔ گلوں کو چاک دامانی کا خبط۔ پتے ہر شجر کے کف افسوس مل رہے ہیں۔ ولایتی پھولوں سے تختہ چمن بھرا پڑا ہے۔ مگر نہ کہیں نام کو بو ہے نہ باس۔ شبنم الگ رو رہی ہے۔ مرغانِ سحر کی صورت پر گھبراہٹ نمایاں۔ فوارے ہیں کہ رہ رہ کر اپنا سر زمین پر پٹکتے ہیں۔ نسیم کا دامن ہمیشہ روح پرور سے خالی۔ گلچیں غریب اس تشویش میں ایک طرف چپ کھڑا ہوا کہ ان پھولوں کو آخر چنکر کریں تو کیا کریں جنہیں رنگین ادا کے کام کا نہیں پاتے۔ غالب ؎

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں
خاک میں کیا صورتیں ہونگی کہ پنہاں ہو گئیں

سے اے فدایان رنگ مومن و نسیم وہ جھلملانے والی شمع اور وہ گلچیں جسکو آپ ابھی اُس سامنے والی محفل اور قریب والے باغ میں دیکھ چکے ہیں اس دور آخر میں اُستاد تسلیم کی ذات ہی۔ لاریب کہ دلی مرحوم کے مزار سخن کا چراغ اب آپ ہی کے دم سے روشن ہی۔ گو ذات سراپا صفات پر بوجہ سکونت لکھنو کو ناز ہے مگر شاعری کے وطن ہونے کا شرف مرحوم دلی ہی کو حاصل ہوا۔ ہائے دلی۔ بقول مجروح[۱]

خاک اڑتی ہے مزار غالب و مجروح پر — رنج کیا کیا دے گئی دلی کی ویرانی مجھے

گو قبل تلمذ ہی زمانہ قیام بنارس و مرزاپور میں میرا یہ خیال تھا کہ اُستاد تسلیم کی سوانح عمری لکھوں مگر مکروہات اور فکر معیشت کی الجھنوں نے موقع نہیں دیا مگر شرف تلمذ حاصل ہونے کے بعد منشی محمد الدین فوق سابق اڈیٹر پنجہ فولاد لاہور کی تحریک سے ایک کتاب موسوم بہ حیات تسلیم مرتب کی اور حق تالیف بھی فوق صاحب کو ہبہ کر دیا۔ پھر بھی مقدر کی خوبی کہ وہ کتاب بے نطاقی اور تحریری غلطیوں سے بھری ہوئی مطبوع ہوئی اور کاتب نے اور بھی غارت کر ڈالا۔ جس کا اعتراف جائے اختتام کتاب پر فوق صاحب نے ازراہ انصاف خود کیا ہے۔ مگر پھر بھی اس لحاظ سے وہ کتاب واجب التعظیم ہوگئی کہ اس میں عمر صد سالہ کا پہلا فوٹو استاد تسلیم کا چھپا اور ہر ادنےٰ و اعلیٰ کو اول اول انکی ذریعہ سے شرف زیارت حاصل ہوا۔ سوانح عمری کے لحاظ سے وہ پہلی کتاب ہندوستان میں قرار پائی۔ اسکے پہلے کوئی بسیط تذکرہ استاد تسلیم کا کسی جگہ موجود نہ تھا۔ بالخصوص منشی سجاد حسین صاحب اڈیٹر اودھ پنچ لکھنو اور سید ابن علی صاحب اڈیٹر اعظم مراد آباد وغیرہ نے نہایت فاضلانہ طولانی ریویو اپنے پرچوں میں کرکے یہ ثابت کیا کہ یہ کتاب بلحاظ عبارت بھی آبحیات مولفہ شمس العلما آزاد دہلوی کا ایک حصہ ہے وغیرہ وغیرہ۔ پھر ۱۹۱۱ء میں دیوان سوم مصنفہ جناب تسلیم تین صاحب مطبع کی تحریک سے استاد تسلیم کا جدید فوٹو چھپکر شائع ہوا اور بعض صاحبوں نے یہ ثابت کیا کہ نقاش نقش ثانی بہتر کشد ز اول۔ حالانکہ یہ نقش اُسی نقش کا خاکہ ہے جسکو عمر بھر میں اول اول میری ضد سے

[۱] میر مہدی مجروح ۔ شاگرد غالب

استاد تسلیم نے مراد آباد جا کر تیار کرایا تھا۔ اس دیوان میں جناب شہزادہ صادق یادگار شہزادہ جاہ دہلوی مقیم رامپور نے باوجود منع کرنے جناب تسلیم کے کچھ عبارت بطور سوانح عمری لکھی ہے۔ اس منزل دشوار میں پیرستہ ہی نقش قدم نے صادق صاحب کو خضر راہ کا کام دیا ہے۔ آپ نے ملکی قدردانی اور مقبولیت کے خلاف ہزار سال بعد اس کا شکریہ یوں ادا فرمایا۔ کہ "اگرچہ منشی ضمیر الدین احمد صاحب عرش تلمیذ تسلیم نے ایک رسالہ حیات تسلیم نامی لکھا ہے لیکن طرز بیان اور نفس مطلب میں کچھ ایسی پیچیدگیاں اور غیر متعلق واقعات کچھ اس کثرت سے درج ہیں کہ جن کی وجہ سے رسالہ مذکور کو فن تاریخ میں سوانح عمری کے ذیل میں جگہ ملنا مشکل ہے اس لئے اس کا عدم وجود برابر ہے"

مرحبا۔ جزاک اللہ یہ اڈیٹر صاحب اودھ پنچ کے اس جملہ کا غالباً جواب ہے کہ حیات تسلیم لکھکر عرش نے ملک پر یہ ثابت کر دیا کہ اگر کوئی مشاہیر کی حالت لکھے تو اس طرح لکھے وغیرہ۔

اب دیکھیے کہ حیات تسلیم پر صادق صاحب کیا گلفشانی کرتے ہیں۔
اگر مولانا حسرت اڈیٹر اردوئے معلی نے حسب وعدہ اس کتاب کو بصحت تمام چھپوا کر شائع کر دیا تو مجھے منصف مزاجوں سے بڑی توقع داد کی ہے اور شاید ناظرین اس سے زیادہ اچھی سوانح عمری جناب تسلیم کی کوئی اور نہ پائیں گے۔ اس کے ضمن میں اکثر مفید اور دلکش واقعات بھی بیان کیے گئے ہیں جو ملکی نفع سے خالی نہیں۔ مجھے توقع ہے کہ جناب نواب مصطفےٰ علی خانصاحب پرائیویٹ سکرٹری نواب صاحب بہادر رامپور بھی اسکو اپنے ملاحظہ کا شرف بخش کر سرکار رامپور میں پیش کر دیں گے۔ کہ اس وجہ سے خادم تسلیم کی عزت افزائی ہو۔ و باللہ التوفیق۔

کفش بردار تسلیم عرش مقیم گیا۔

"جس وقت کاتب ازل نے دفتر کن کے اس صفحہ پر خامہ فرسائی شروع کی تھی جو شعرائے زبان اردو کے لیے مخصوص تھا تو شجرۂ شاہ حاتم کے آخر میں شیخ امیر اللہ تسلیم کا نام بھی آب زر سے رقم کر دیا تھا یہی باعث ہوا کہ آپ کی ذات منقطع خاندان امام الشعرا حاتم ہوئی۔

نخلبند باغ مضامین حکیم مومن خانصاحب جن کے گلہائے فکر کی بہار مرحوم اصغر علی خاں نسیم کی سلامت روی سے زیادہ نمایاں ہوئی ہر طرح قدم لینے کے لائق تھے جنکے یادگار آخر یعنی جناب تسلیم کی طبیعت کے آب و رنگ کا جواب آج چمنستان عالم میں چراغ لیکر بھی ڈھونڈھ ہنے سے کہیں نظر نہیں آتا سچ تو یوں ہے۔ تسلیم ؎

ہوا کرتی ہے زینت عیب سے رنگیں مزاجوں کی ۔۔۔ سدا شبنم دھوا دیتی ہے منہ گلہائے خنداں کا

ولادت۔ نام۔ وطن۔ شرف خاندانی

سنہ ولادت آپ کو یاد نہیں۔ مگر فرماتے ہیں کہ اپنی والدہ سے سنا کہ پیدائش میری اسی سال ہوئی جب غازی الدین حیدر کو اختیارات شاہی انگریزوں نے عطا کیے۔ غازی الدین حیدر و نصیر الدین حیدر نے دس دس سال اور محمد علی شاہ اور امجد علی شاہ نے پانچ پانچ سال شاہی کی بعد ازاں واجد علی شاہ کا زمانہ آیا اور ۵۷ء کے غدر نے اپنی ہیبت ناک صورت دکھلائی۔

نام آپ کا احمد حسین اور عرف امیر اللہ اور تخلص تسلیم ہے۔ امیر اللہ آپ کے والد کے پیر مولوی عماد اللہ صاحب کا عطیہ نام ہے اور اسی نام سے آپ کا نام عالم میں روشن ہے۔ ولادت آپ کی منگلسی نواح فیض آباد اودھ میں ہوئی۔ آپ کے وطن بننے کا شرف بدیع البرائے عرف بدوسرائے مضافات دریا آباد کو حاصل ہے مصیبت و جبر ترک وطن ہوئی۔ آپ کے والد کا اسم شریف مولوی عبد الصمد صاحب تھا وہ زمینداروں کی بالضامنی کیا کرتے تھے اور حسن پور، بہار پور دو گاؤں بھی رکھتے تھے محتاج ملازمت نہ تھے۔ آپ کے بڑے بھائی مولوی عبد اللطیف بھی کاروبار آبائی میں مصروف

تھے شہزادگی وقت کہ ناظم دریاآباد کے گیارہ ہزار روپیہ کے ضمانتی بقایا کے عوض آپکے والد اور بھائی بدرجہ آخر قید ہوئے۔ شدائد سفر سے تکلیف زنداں کم نہ تھی آپ کے دادا صاحب یعنی شیخ امان اللہ تاب نہ لاسکے جملہ اسباب تک فروخت کرڈالا اور دونوں مواضعات رام سنگھ قوم چندیلہ کے پاس گرو کر کے زر بقایا ادا کردیا اور بیٹے پوتے دونوں کو قید سے چھوڑا یا۔ جہاں شاہی کر چکے تھے گدائی کس طرح کرتے۔ رعیت بنکر مرہونہ گاؤں میں رہنا گوارا نہوا۔ بادوسرا کو ترک کر کے چندے فیض آباد میں قیام کیا مگر اس وقت کا فیض آباد اس لایق نہ تھا کہ وہاں کوئی صورت معاش نکالی جاتی آخر لکھنو چلے آیے اور عہد محمد علی شاہ بادشاہ میں آپ نے حصول اعزاز کے لحاظ سے قدیم بزرگوں کی وضع کے مطابق ملازمت سپہگری کے طرف رخ کیا (خدا مرحوم غالب کو جوار رحمت میں جگہ دے وہ بھی تادم مرگ اسی پر نازاں رہے فرماتے ہیں

سو پشت سے ہے پیشۂ آبا سپہگری
کچھ شاعری ذریعۂ عزت نہیں مجھے

اور عہدۂ رسالداری تک پہنچے اس زمانے میں رسالدار پانسو سپاہیوں کا افسر ہوتا تھا تیس روپیہ ماہوار آپ کو ملا کرتے تھے کسی طرح سفید پوشی کے نباہ کی صورت تھی ورنہ کھوئے ہوئے آرام کا ملنا تو خواب و خیال میں بھی ممکن نہ تھا۔ ہاں کچھ ہو نہو قرب سلطانی کا شرف ضرور حاصل تھا۔ اسی زمانہ کو یاد کر کے آج حضرت تسلیم یوں نالاں ہیں آہ ۔۔

اٹھو لیے تسلیم ہیں پامال ہر خورد و ذلیل
کیا کریں ہم اعتبار خاندانی پر گھمنڈ

ایک جگہ اور ارشاد فرماتے ہیں کہ ۔۔

ناز اٹھاتا ہوں کس و ناکس کے تسلیم میں
اب کہاں اگلا طریق میرزایانہ مرا

حالت تعلیم اور ملازمت شاہی

آپ نے فارسی کی ساری ابتدائی وانتہائی کتابیں اپنے والد عبدالصمد اور مولوی شہاب الدین مغفور شاگرد مرزا حق کبرانی سے اور عربی کی کتابیں اپنے بڑے بھائی مولوی عبداللطیف سے کہ فاضل جلیل القدر مولانا مولوی محمد ولی اللہ صاحب

مغفور کے شاگرد تھے پر یہ وہ شاہ ولی اللہ صاحب نہیں ہیں جن کا ذکر حیات تسلیم مطبوعہ لاہور میں غلطی سے کیا گیا ہے۔ وہ ایک درویش باکمال بہرائچی فقیر تھے۔ استاد تسلیم نے عقیدت کی راہ سے ان کے وصال کی تاریخ درج کلیات کی ہے۔ تعلیم عربیہ کی بابت لکھتے ہیں "راز گرامی نامہ تسلیم (جناب مولوی عبدالاحد صاحب شمشاد فرنگی محلی لکھنوی) کے بزرگوں کے فیض سے مجھے چار حرف آتے ہیں کیونکہ میرے والد اور بھائی ان کے بزرگوں کے کفش بردار تھے اور میں ان لوگوں کا۔ حضرت شمشاد کو میں باوجود کبر سنی کے مخدوم و مکرم جانتا ہوں۔"

استاد تسلیم کی دستگاہ عربی و فارسی نہایت قابلانہ اور فاضلانہ ہے۔ اور درس تدریس سے بھی دوران ملازمت رامپور میں خاص تعلق رہا ہے۔ تحصیل علم کا شوق یہاں تک تھا کہ عربی کی تکمیل رامپور میں مولوی سلامت اللہ صاحب سے کی جو بھی بزرگان قدیم کی اک شان تھے۔ فن خوشنویسی میں آپ منشی عبدالحی صاحب سندیلوی سے کہ آپ کے والد کے بڑے دوست تھے تلمذ حاصل ہے۔ اسی عہد کی خوشنویسی کو آپ فرماتے ہیں کہ

اب کہاں تسلیم قدر خوشنویسی دہر میں   اشرفی کے بکتے تھے اک اک سر بازار حرف

مطبع نولکشور کی ملازمت اسی زمانہ میں تھی اور صحیح طور پر کتابت کلیات امیراللہ تسلیم آپکی شاعری کی شان ہے۔ آپ کے دیرینہ مکرم منشی فدا علی عیش لکھنوی بانی مطبع شمس جو ابھی چند سال قبل تک زندہ تھے تقریظ میں یوں ظاہر کیا ہے کہ دیوان تسلیم تمام و منقح بالالتزام بخط خاص مصنف علام طبع ہو کر مطبوع طبائع عشاق انام و پسندیدہ کافہ خاص و عام ہوا)

فن شاعری کے جمیع رموز و نکات کی تکمیل نواب اصغر علی خاں نسیم دہلوی شاگرد مومن سے کی جو اس زمانے میں دلی کو چھوڑ کر لکھنؤ میں تشریف رکھتے تھے اور آپ کے بھائی منشی عبداللطیف کے دوستوں میں تھے یہی وجہ ان سے اصلاح لینے کی بھی ہوئی۔ آپ کی شاعری کا سلسلہ شاہ حاتم تک اس طرح ملتا ہے۔ تسلیم شاگرد نسیم۔ نسیم شاگرد مومن۔ مومن شاگرد شاہ نصیر۔ نصیر شاگرد شاہ محمدی مائل۔ مائل شاگرد قیام الدین قائم۔ قائم شاگرد مرزا رفیع سودا و درد علیہما الرحمۃ۔ سودا شاگرد امام الشعرا شاہ حاتم۔ ذوق سخن

آپ کو صغیر سنی میں پلٹن والوں کی صحبت میسر ہوئی کہ وہاں اکثر اپنے والد صاحب کے ہمراہ چلے جایا کرتے تھے۔ ابتدائی اشعار کا نمونہ جن دنوں آپ خود کہتے اور اس کا مزا اٹھاتے تھے غدر میں تلف ہو گیا البتہ یہ دو ایک شعر اب تک آپ کو یاد ہیں تسلیمؔ

کاوش تقدیر ہو تو خاک بھی ملتی نہیں ۔۔۔ رہ گیا ہر گشتہ مجنوں گرد محمل دیکھ کر

اگر بیٹھا نہیں تھک کر کسی کے نخل ماتم پر ۔۔۔ عزا کی بو مجھے آتی ہے کیوں بال کبوتر سے

دنیا کی روش کے مطابق زمانہ صغیر سنی تک آپ کی پرورش اپنے بزرگوں میں ہوئی ہوش سنبھالنے اور تعلیم پانے کا وقت لکھنؤ میں آیا ہے آپ کم عمری میں اپنے والد کے ہمراہ پلٹن میں آنے جانے کے سبب سے پہلے سپاہیوں میں نام زد ہو گئے عمر لایق بجا آوری ملازمت نہ تھی مگر شاہی زمانہ تھا تنخواہ بغیر خدمت مل جایا کرتی تھی خداوند عالم نے دنیا کا ہر کام اپنے وقت پر مقرر کر دیا ہے جب آپ کے باغ شباب کا سبزہ نسیم بہار قدرت سے ہرا ہوا آپ کے والد کے باغ عمر میں خزاں آگئی ضعف بہت بڑھ گیا۔ خدمت کے لایق نہ رہے یہاں تک کہ بادشاہ کے حضور میں اس مضمون کی عرضی گذرانی کہ خانہ زاد بہ سبب پیرانہ سالی و علالت قابل بجا آوری خدمت نہ رہا۔ امیدوار ہوں کہ میرا لڑکا مسمّٰے محمد امیر اللہ کہ نوجوان اور پڑھا لکھا ہے میری نوکری پر بعوضی مقرر کیا جائے محمد علی شاہ بادشاہ نے دست خاص سے یہ حکم لکھا کہ (موافق سوال سائل عمل آرند) چنانچہ اب دفتر سلطانی میں آپکا نام بعہدہ جمعداری درج کر دیا گیا اور وہی تیس روپیہ ماہوار جو آپ کے والد کو ملا کرتے تھے اب آپ کو ملنے لگے عہد قدیم کی حق شناسی سے ظاہر کہ زمانہ موجود میں یہ باتیں ہندوستانی ریاستوں میں بھی گویا نہ رہیں۔ نیا دربار اور نئے درباری نظر آتے ہیں یہی وہ زمانہ ہے جب لکھنؤ میں مستقل طور پر رہ کر نسیم جنت مقیم سے تکمیل فن کی اور ہر وقت بادۂ سخن کا جام منہ سے لگا رہا قریب قریب یہی وہ وقت تھا جس کی بابت لکھتے ہیں (گرامی نامہ تسلیم) محبی مشفقی زاد عنایتکم بعد سلام دعا کے مظہر مدعا ہوں جس طرح خیریت آپ کی تندرستی ایزد تعالیٰ سے چاہتا ہوں۔ عنایت نامہ آیا خوش ہوا۔ اگلے شعرا کی حالت کیا لکھوں میں نے ناسخ و آتش

کو دیکھا ہی مگر اس وقت میں کہ ان کی خدمت میں حاضر ہونے کی لیاقت نہیں رکھتا تھا ٹکسال جو محلہ چوک میں ہے ناسخ وہیں رہتے تھے صبح و شام پھاٹک پر آ بیٹھتے تھے چھوٹے بچوں سے ہنسی دل لگی کر کے کچھ سودا کھانے پینے کا دلوا کر کمرے میں جا بیٹھتے تھے۔ پھر شاگردوں سے یا اور احباب سے صحبت رکھتے تھے۔ اور آتش مرحوم کو بھی بہت دیکھا جس محلہ میں رہتا تھا اسی محلہ میں وہ تھے۔ اُن کے بیٹے جو شش سے بھی ملاقات تھی کیا کہ وہ کیا زمانا تھا۔ بحر۔ رشک۔ اسیر۔ صبا۔ سحر۔ وزیر۔ قبول۔ نسیم۔ نشتر۔ وغیرہ جیسے بھی ملاقات تھی مگر نہ ایسی کہ ان کے حالات کمالات سے بہرہ مند ہوتا۔ ان کے بعد منیر۔ جلال۔ اوج۔ جان صاحب۔ امیر۔ داغ۔ ہندی وغیرہ ان صاحبوں سے رامپور کی ملازمت کی وجہ سے ملاقات تھی۔ اکثر آنا جانا تھا۔ مگر کوئی حال کسی طرح کا نہیں معلوم ہوا اور یہ سب ہی مر گئے ان کے ملنے والوں میں حضرت جلال یا داغ۔ زندہ ہیں یا اُن کا کفش بردار یہ فقیر حقیر میرے عقیدے میں یہ سب اپنے فن کے بڑے کامل تھے اور نہایت مشاق انکا ہم پایہ اس زمانہ میں کسی کو نہیں پاتا۔ نکات فن اور تحقیق میں نہایت بہرہ یاب تھے اور زیادہ کیا لکھوں مولانا ظہیر احسن شوق نیموی داغ دے گئے۔ ان کے انتقال کو سنکر بڑا صدمہ ہوا۔ مگر سوائے صبر و دعائے خیر کیا چارہ ہے ؎ ہمرہاں رفتہ و ما نیز براہ سفریم۔ رقیمہ نیاز محمد امیر اللہ تسلیم از رامپور ۲۲ شوال ۱۳۲۲ھ ہائے غالب ؎

کوئی میرے دل سے پوچھے ترے تیر نیم کش کو
یہ خلش کہاں سے ہوتی جو جگر کے پار ہوتا

جس کی آنکھوں کے سامنے ایسی ایسی بولتی ہوئی تصویریں غائب ہو گئی ہوں اسکے دل و دماغ کو کیا پوچھتے ہو۔ آفریں اس ذوق پر کہ اب تک کچھ نہ کچھ فرما ہی لیتے ہیں مگر کہاں وہ صحبتیں اور کہاں کمیٹیوں کے جلسے خود فرماتے ہیں ؎

مسخرا پن ہے مآلِ شاعری تسلیم اب
یہ دعا مانگو لگا دے اے خدا اس فن میں آگ

تو ہی بتلا کیا کریں تسلیم ایسی بزم میں
جس میں سب استاد ہوں و نکتہ داں کوئی نہ ہو

غرض اپنے والد کے زمانہ پیرانہ سالی سے ان کے انتقال تک آپ برابر فرائض اوشنداری ادا کرتے رہے۔ اتفاق وقت کہ ڈاک کی عدم حفاظت کے باعث

سرکار انگریزی کیطرف سے تنخواہیں ہوئیں اور عتاب سلطانی کے سبب سے وہ کمپنی ہی برطرف کر دی گئی جسمیں آپ اوشدار کھے۔ یہانتک کہ سب کے ساتھ آپ بھی بیکار ہوگئے مگر اس بیکاری میں تکمیل فن کا خیال رہا یہانتک کہ درباری شعرامیں داخل ہونے کی صلاحیت ہوگئی چنانچہ ایک روز بہمراہی اپنے جلیل القدر دوست کپتان مقبول الدولہ احسان الملک مرزا مہدی علیخاں قبول شاگرد رشید امام بخش ناسخ نور اللہ مرقدہٗ مفصلہ ذیل عرضی اور قصیدہ کے ساتھ واجد علی شاہ کے حضور میں تشریف لائے۔ اور اپنے کمال سخن اور قادر الکلامی کا ثبوت پہونچایا۔ زبان اردو تو خاص آپکی زبان ہی ہے فارسی نظم کے پرزور مضامین بھی لائق ملاحظہ ہیں

عرضداشت بحضرت ابو المنصور ناصر الدین سکندر جاہ قیصر زماں محمد واجد علی شاہ خلد اللہ ملکہ

بعرض شہنشاہ عالی مکان   فلک آستان و ملک پاسبان

ہنرمند و ہم قدردان ہنر   چو خاقان و قیصر بہ گیتی سمر

جگر خستہ تسلیم مشہور دہر   ز دل میکشد نالہ از غم اثر

بالطف و کرم ساختی شیدا گشتہ   بافسانۂ من دمے گوش دار

کہ از دست گردوں بجاں آمدم   ز بیچارگی در فغاں آمدم

چہ گویم چہ از بخت بر دل گذشت   کہ آساں نفس ہم بمشکل گذشت

بعہدے کہ دولت رہین تو بود   جہاں زیر نقش نگین تو بود

بملک خطابت را بصد عز و شاں   ہمی خواند بر منبر آسماں

بہمراہ مہدی علیخان قبول   مرا بود اعزاز خدمت حصول

ہم از خوشنویسی ہم از شاعری   قوی داشتم بخت چاکری

نفس مثل نکہت ہوا در وسے   شگفتی نہ بے خندہ چوں گل مے

بیا جام بعیش و طرب گذشت   با آرام دل روز و شب میگذشت

کہ ناگاہ این چرخ نامہرباں   دگرگونہ شد در پئے امتحاں

حسد برد بر عیش آرام من   نمک ریخت در بادۂ جام من

بقصد اطلاع کرد بر ملک و مال   تباہ اختر لکھنو و وبال

نہ آں بادہ ماند نہ آں جام ماند   مگر شکوۂ بخت ناکام ماند

چو ارباب جوہر چہ ارباب جاہ   بیکبار گشتند جملہ تباہ

بسے جادہ پیمائی غربت شدند   بسے زاویہ گیر تربت شدند

من از تیرہ بختی چو دود فغاں   نہ در خاک گشتم نہ بر آسماں

چو نقش قدم خاک بر سر بدام   ز بیچارگی میکنم صبح و شام

فلک تاب ضعف و تاب و تواں   ہنوز است با من ستیز نہاں

کنوں ہم سرم آں جفا پیشہ گشت   کہ از باد بر نقش پا میرود

بسے کردم اندیشہ با جان خویش   کشیدم ز ... شہر بیروں

بدرگاہ آں شاہ گردوں وقار   کشم انتقام از غم روزگار

بجا آمدم شاد و مانی کنم   بہ پیرانہ سر نوجوانی کنم

بیامم چو غنچہ بخود از نشاط   بافسردگی ہم کنم ارتباط

نویسم قصیدہ بصد عز و جاہ   بخوانم بحضور شہ جم کلاہ

بہ نسرین گریبان سنبل دہم   بگوش گل آواز بلبل دہم

ولیکن چہ سازم کہ بیگانگی   رسیدست اکنوں بآں مایگی

در اشک ہمشکل گوہر نماند   بزردی رو صورت زر نماند

آمین است بس در عیان نہان عدو بر تو باد ای گردش مدام	کہ دارم دعائے تو ورد زبان محب تو باد و بآرام کام	بود سایہ بر کار تا در سفر نگونسار سرکار عالیجناب	بود نقطہ تا بہر پرگار مقر جگر خستہ تسلیم خان خراب

قصیدہ

کسطرح نہ دل تڑپے رگ جاں کے برابر
ہر دم ہے وہ خنجر بُرّاں کے برابر

ناکامی قسمت سے ہی مجکو تہ گردوں
ہر روز ہے تمنا شب ہجراں کی برابر

تدبیر سحر شام کو ہوتی ہے دگرگوں
کیا کیا ہیں کرم گردش دوراں کے برابر

نادم میری تدبیر ہے تقدیر سے ایسی
جسطرح پشیماں ہو پشیماں کے برابر

روتا ہوں یہ قسمت کو کہ رہتا ہے ہمیشہ
گرداب بھی گریہ گریباں کی برابر

آرام میسر نہیں دم بھر تہہ گردوں
چکر ہے مجھے گردش دوراں کے برابر

اللہ رے سرگشتہ نصیبی کہ شب و روز
برباد ہوں میں گرد بیاباں کی برابر

کیا کیا نہیں خوں گشتہ تمنائیں جگر میں
سینہ ہے میرا گنج شہیداں کے برابر

آنسو بھی خفا ہیں جو خفا بخت ہے مجھسے
رک جاتے ہیں آکر سر مژگاں کے برابر

دشوار ہے جنبش صفت نقش کف پا
گھر ضعف سے ہے گوشہ زنداں کے برابر

کچھ منہ کو چھپائے ہوئے جاتی ہے عدم کو
امید مری عمر گریزاں کی برابر

عالم پہ مرے داغ ہو گلزار جہاں کے
ٹھہروں جو کبھی میں گل خنداں کے برابر

ہر شاخ نصیبوں سے میری تیر کی جا ہے
ہر غنچہ گل ہو مجھے پیکاں کی برابر

ہلتی نہیں دم بھر دل مایوس سے خنجر
حسرت ہے مجھے داغ عزیزاں کی برابر

دو دو جگری سے نظر آتا ہے جہاں تار
ہے صبح وطن شام غریباں کے برابر

پروانہ نہیں سوز جگر کی نہ عدو کو
جلتا ہوں چراغ شب حرماں کی برابر

ناقدری دوراں سے نہیں بات کے قابل
ہر چند کہ ہوں ناظم شرواں کی برابر

لیکن مجھے با این ہمہ ہر دم ہے یہ تسکیں
ہر مشکل دشوار ہے آساں کی برابر

کہتا ہوں کوئی نظم نہیں حامی ہو اگر
ہم مرتبہ شوکت میں سلیماں کی برابر

واجد علی آفاق میں کامل صفت ماہ
بے مثل جہاں مہر درخشاں کی برابر

تا حشر مرا حوصلہ مجھسے رہے بیزار
دارا کو نہ سمجھوں کبھی دربان کے برابر

قوت وہ عاجز ہوا گر اوسکی حمایت
روباہ بھی ہو شیر نیستاں کے برابر

دانش میں فراست میں فلاطون و بقراط
دونوں ہیں یہاں طفل دبستان کے برابر

کسطرح بیاں ہو کف ہمت کا فسانہ
عالم میں گہر ریز ہے نیسان کے برابر

اخلاس کا لیتا نہیں دنیا میں کوئی نام
مفلس ہے غنی قیصر و خاقان کے برابر

احسان و کرم میں کرم و فیض سے اوسکے
ہر مور کو دعوی ہے سلیمان کے برابر

حال غربا پر یہ ترحم ہے کہ جیسے
بیکس پہ کوئی رحمت یزدان کے برابر

دل شاد رعایا ہے یہانتک کہ شب و روز
رہتی ہیں دعائیں لب خندان کے برابر

کیا خوف سیاست ہے کہ بجلی بھی تڑپکر
چمکی نہ کبھی خرمن دہقان کے برابر

عالم میں بہار و کبھی ایسا نہیں آیا
دیکھے ہیں ورق دفتر ویرانکے برابر

قوت میں شجاعت میں فن سپہگری میں
رستم سے فریدوں سام و نریمان کے برابر

پہنچے صف اعدا میں جو ہنگام وغا تیغ
دریا ہو رواں خونکا طوفان کے برابر

حاسد کو اگر چاہے گرفتار جراحت
تن پر سر مو ہو سر پیکان کے برابر

کیا رتبہ و شوکت ہے کہ باایں ہمہ عظمت
فغفور نہ بیٹھے کبھی دربان کے برابر

کیا خاک لکھوں قصر معلے کی میں تعریف
رفعت میں ہر اک ذرہ ہے کیوانکے برابر

جبریل ازل سے جو اوڑے روز ابد تک
پہونچے نہ کبھی قبہ ایوانکے برابر

ہر نقش برنگ گل تر تازہ و رنگیں ہے
ہر صحن مکاں گلشن رضوانکے برابر

کیونکر نہ مجھے فخر ہو تقدیر پر اپنی
ثابت ہے کہ میں آج ہوں حسانکے برابر

گر وہ سے کہے شب و روز بجان و جگر سے
وصاف شہ قبلہ و ایمان کے برابر

میرا ہی وہ رتبہ ہے کہ پڑھتا ہوں قصیدہ
سلطان اولی الامر جہانبانکے برابر

کیا حسن خداداد ہے دیکھے جو عجب سے
کلمہ پڑھے ہر گبر مسلمانکے برابر

جب دیکھئے پیشانی و رخسار ہیں روشن
ذرات مہ و خورشید درخشاں کے برابر

انسان و پری کیوں نکریں حلقہ بگوشی
فرمان ہے توقیع سلیمانکے برابر

خطبہ میں پڑھا جائے اگر نام نہ اسکا ∴ اسلام کبھی ہو کیش کشیشاں کے برابر
تسلیم کہاں تک ہوش مدح سرائی ∴ مانا کہ رواں طبع ہے عنقا کے برابر
ہنگام دعا ہاتھ سے دینا نہیں اچھا ∴ کہہ جا کے درِ حضرت یزداں کے برابر
جب تک مہ و خورشید الٰہی رہیں سیّا ∴ ہے نقش قدم عالم امکاں کے برابر
جب تک جگرِ شمع فروزاں ہے الٰہی ∴ داغ دلِ پروانہ سوزاں کے برابر
احباب شہنشاہ کی خاطر ہو جہاں میں ∴ ہر شام رخ صبح درخشاں کے برابر
حاسد کو دکھائے فلکِ دشمن آرام ∴ ہر صبح سیہ شام غریباں کے برابر
دن بھر رہے پروانے کے مانند پریشاں
راتوں کو جلے شمع شبستاں کے برابر

شاہ جم مرتبہ نے جو خود ماہر فن اور قدر دان اہل کمال تھا دست خاص سے عرضی پر فوراً یہ حکم لکھا اور بہت کچھ قدر دانی اور عزت افزائی کی۔

حکم

شنوائے خوشنویس و ائے خوشگو ∴ ہر دو فن سے کنی و ہر دو نکو ∴
اسم تو مندرج بہ دفتر شد ∴ نسبت دودہ تو بہ مقرر شد ∴

استاد تسلیم کی خوش قسمتی سے عمر بھر میں انکو یہی ایک موقع ایسا ہاتھ آیا کہ بغیر خدمت تیس روپیہ ماہوار پاکر شرفیاب بارگاہ سلطانی رہے کار متعلقہ کچھ نہ تھا یہاں تک کہ برابر تنخواہ کو کبھی خزانہ تک جانا نہ پڑتا تھا آپ کے بھائی منشی عبداللطیف کہ ملازم منشی خانہ شاہی تھے لے لیا کرتے تھے۔ مگر جب غدر کی ہیبت ناک صورت خواب و خیال میں نظر آنے لگی تو مصلحتاً بادشاہ نے آپکو اپنے قدیم جگہ دوشداری پر پھر معمور کر دیا اور تا انتزاع سلطنت اسی ذریعہ سے آپکو وہی تیس جو توشہ روزانہ تھا ملتے رہے آخر جب فتنہ غدر کا اثر بیٹھ گیا اور آپ نے بھی گردش تقدیر کے خوف سے یہ سوچ لیا کہ

گر یہی گردش ہے اے تسلیم اپنے پاؤں کو ∴ اڑ بیٹھ و چار دن مہمان لکھنؤ

بہار
وہ ہرا باغ جہاں کل سبزہ بیگانہ تک نہ تھا نذر خزاں ہو کر آج اپنے سر پر بگولوں کی طرح خاک اڑا رہا ہے۔ وہ عشرت سرائے سلطانی کی اونچی دیوار عالم تحیر میں خاموش کھڑی

ہیں جس زمین پر قاقم و سنجاب کے فرش تھے وہ اب بجز بستر خاک کچھ نہیں رکھتی۔
نہ کہیں جھاڑ ہیں نہ فانوس البتہ شکستہ حال سینہ چاک چھتوں کے شگاف سے ماہتاب کی
شعاعوں کا نور چھن چھن کر آرہا ہے جسپر شمع کی جھلملانے والی لو کا دہوکا ہوتا ہے۔ بیگمات اور
مخدرات عصمت سمات کی جلوہ گاہیں مکڑی کے جالوں اور ابابیلوں سے بھری پڑی ہیں۔
اہل کمال بھی سب قوت کے محتاج ہوکر بہ جمعیت خاطر لکھنؤ کو ترک کرکے ادہر ادہر کی خاک
چھانتے پھرتے ہیں۔ نہ مجمع شعراء ہے نہ صحبت فضلا جس کشتی پر سارے منتخب روزگار سوار
تھے شکستہ ہوکر دریا میں پڑی ہے اوسکا ناخدا آپ گرداب بلا میں پھنسا ہوا ہے پاؤں کھو کر وہ
دولہا جسکے دم سے یہ ساری برات تھی۔ آج مسند زریں چھوڑ کر عروس گور کے پہلو میں خاموش
دم بخود پڑا ہے اوسکو اپنی آپ خبر نہیں۔ نہ اس تاریکی میں کسی جھوٹے آنسو بہانے
والی شمع تک کا سہارا ہے۔ معاذ اللہ یہ تیرگی روز سیاہ اور یہ گور کی اندھیری رات۔ لیجیے
غدر کے ہاتھوں لکھنؤ تباہ ہوگیا بادشاہ اودھ کو قید فرنگ حاصل ہوئی۔ ہر طرف سناٹا ہے
اوستاد تسلیم کے متعلقین نے بھی فیض آباد کیطرف رخ کیا۔ اور یہ خود بہمراہی یعقوب خاں
صاحب رامپوری کیدان حیدری پلٹن۔ تلاش معاش میں رامپور چلے آئے۔ (گو رامپور
اسوقت وہ رامپور نہ تہا جو تھوڑے عرصہ کے بعد ہوگیا) صرف آپکے بڑے بہائی منشی عبد اللطیف
صاحب لکھنؤ میں رہ گئے۔ اس عہد میں رامپور آپ کے لیے ایک مقام غریب الوطنی تہا۔ نہ کوئی
قدر دان۔ نہ ہمدم۔ نہ ہمخیال۔ یہانتک کہ شدید عسرت و تنگی اثاثہ سے گذارا کیا اور زمانہ جدا کو اپنا
گھر جانا۔ کچھ دن بعد منشی نہال الدین کے یہاں تعلیم اطفال کے لیے صرف تین روپیہ ماہوار کے
نوکر ہوگئے۔ دس گیارہ مہینے تک یوں بسر ہوئی سچ ہے کمال باافسوس ہے بجز کمال افسوس
آخرکار روز افزوں تکلیف اور اخراجات سے تنگ آکر مطابق طریقہ شعرائے سلف چند
شعر بطور قصیدہ لکھکر نواب کلب علی خاں بہادر کے حضور میں آئے جو اوس زمانہ میں ولی عہد
ریاست تھے۔ غرض یہی ذریعہ آمد و رفت کا سرکار رامپور میں ہوگیا۔ کچھ مدت کے بعد امن کی صورت
پیدا ہوئی زندہ دلوں کے بھی جان میں جان آئی شعر و شاعری کا تذکرہ چھڑا۔ مشاعرے
ہونے لگے۔ اور یہ شغل آپکے بھی غم غلط کرنے کا ذریعہ ہوگیا یہانتک کہ اسی وجہ سے

صاحبزادہ یٰسین خاں صاحب بہادر کے یہاں قیام کو جگہ مل گئی۔ زمانہ قیام مسجد کی بولتی ہوئی تصویر کیا اچھی کھینچی ہے۔ ملاحظہ ہو۔ تسلیم

شکر ہے کیا خوب کٹتے ہیں میرے لیل و نہار ⁂ رنج و راحت دونوں ہیں اس شہر میں مجھکو حصول
دن کو بے آتش ہی مطبخ سو گئے ٹکڑے رات کو ⁂ گاہ مہمان خدا ہوں گاہ مہمان رسول

رامپور کے اسی سفر اول کے موقع پر آپ اپنے ہموطن فدا حسین کے اصرار سے اوس مشاعرہ میں شریک ہوئے جس کے صدر مقام پر شہزادہ مرزا رحیم الدین صاحب حیا دہلوی کہ نواب یوسف علیخاں بہادر مغفور کے ہمنشین تھے نزول آئے۔ آپ کو اس موقع پر فدا حسین صاحب نے شعرا سے ملایا اور ظاہر کیا کہ یہ شاگرد تسلیم ہیں۔ غم رکھتے ہیں کرم کرتے نہیں طرح بھی آپ نے جوں ہی یہ مطلع پڑھا۔ یادگار ہستی موہوم ہم رکھتے نہیں × صورت عمر رواں نقش قدم رکھتے نہیں۔ شہزادہ صاحب نے بے اختیار داد سخن دیکر یہ پوچھا کہ حضرت آپ کس کے شاگرد ہیں جب یہ علم ہوا کہ تسلیم شاگرد مومن کے تو صاف کہدیا کہ جبھی تو میں حیران تھا کہ لکھنو والے اس رنگ کو کیا جانیں وہاں تو انگیا کرتی کا مضمون خوب کہتے ہیں۔ ایک شعر آپ کا اسی زمین میں اور ہے۔ شعر

ایک صورت پر بسر کرتے ہیں زیر آسماں ⁂ صورت ماہ دو ہفتہ بیش و کم رکھتے نہیں

شہزادہ صاحب اور بھی آپ کے کلام پر شیفتہ اور فریفتہ ہوئے اور پیچوان تک چھوڑ دیا صادق صاحب دہلوی بھی کہ شہزادہ صاحب کی یادگار ہیں اس واقعہ کی تصدیق کرتے ہیں۔ شہزادہ حیا غالباً غالب مرحوم کے عہد کے شعرا میں تھے کیونکہ نواب یوسف علیخاں صاحب کی حیات تک غالب مرحوم بھی برابر رامپور میں تشریف لاتے رہے اور بوجہ اصلاح نواب صاحب مذکور الصدر کے بہت ممتاز تھے اور بوجہ شہزادگی یوں بھی بہت صاحب توقیر تھے استاد تسلیم فرماتے ہیں کہ یہہ زمانہ ہمنے نہیں دیکھا نہ میرے وقت میں غالب رامپور آئے۔

بعد چندے جب رستہ صاف ہو گیا تو آپ ولی عہد بہادر سے ملے اور کہا کہ سرکار انگریزی نے بخوبی انتظام کر لیا۔ کوئی خطرۂ راہ نہیں رہا۔ اہل و عیال کی خبر نہیں کیا

ہوئے کدہر گئے آنکھیں دیکھنے کو ترستی ہیں اور عزم وطن رکھتا ہوں کاہش جہنپوری

قفس میں جو تڑپا چمن یاد آیا ؎ مصیبت زدوں کو وطن یاد آیا

غرض ولی عہد نے اس صدمہ بے وطنی کو سنکر بطور رخصتانہ سو روپیہ زادراہ دیکر رخصت کیا اسی عرصہ میں آپ کے والد کے شاگرد بخشی لوچن لعل صاحب لکھنوی نے بطور ہنڈوی عہ روپیہ بھیجدئے آپ فرخ آباد کانپور ہوتے ہوئے اپنے بڑے بھائی منشی عبد اللطیف کے پاس لکھنؤ پہونچے - چند دن وہاں قیام رہا بھائی نے ازرہ الطاف و محبت کئی جوڑے کپڑے بنوا دئے اور پچاس روپیہ زادراہ دیکر فیض آباد وطن نوجواں والدہ تھیں بھیجدیا - فرماتے ہیں کہ جب والدہ کے پاس پہونچا بہت خوش ہوئیں اور یہہ جانا کہ مردہ قبر سے اٹھ کر آیا ہے چنانچہ مطابق رسومات ہند و شفقت مادری یہہ سارا روپیہ چند ہی روز میں بزرگوں کی نیاز - صدقہ - رتجگا - شہیدوں کے مزار پر چادر وغیرہ چڑہانے میں صرف کر ڈالا گیا -

---

نوٹ - خدا مغفرت کرے اس مطلع نے مجھے مولوی اولاد علی مرحوم کاہش جہنپوری شاگرد مصحفی کو یاد دلوادیا جو عرصہ ہوا کہ جنت کے ملک الشعراء ہو چکے ہیں - یہ بڑے قادر الکلام اور ماہر فن تھے مصحفی نے بھی اپنے زمرہ تلامذہ میں انکا ذکر کیا ہے اب انکی ایک آخری یادگار حافظ اراوقات انکی جو ضائع گیا میں باقی ہیں پچھا طبع سلیم میں پہلے سے کچھ شعر بھی کہتے تھے اکثر ماہ میں کچھ بشکل مسودہ کاہش مرحوم کا میرے پاس بغرض درستی لائے تھے جسمیں یہ مطلع بہت خوب نظر آیا - شیشہ کیطرح یار کا ایسا ہے بدن صاف ؛ سینے سی نظر آتی ہے چوٹی کی شکن صاف - افسوس کہ انکا کلام صحیح طور پر کہیں کچھ باقی نہیں ہے مرثیہ و سلام میں بھی انیس و دبیر کے ہمعصر تھے - غزل میں آتش کے ہمپایہ رہے - صرف پورب کی سکونت مانع مقبولیت ہوئی - سہ دہ کے پورب میں تھوڑے مستند ہونگے غرض ایسی شاعری بیکار ہو گیا میں کوئی صاحب فن انکا دیکھنے والا باقی نہیں انکے شاگردوں میں کے ایک شاگرد منشی درگا پرشاد ستم رہ گئے تھے دو تین برس ہوئے وہ بھی چل بسے کلام غیر مطبوعہ رہ گیا - میرے بڑے عنایت فرما تھے - کاہش مرحوم کا ایک نوحہ مقبول و مشہور و بازار امصار ہے مع - لالہ ساں سب خون میں ڈوبے گلعذار فاطمہ - ایک شعر کچھ عجیب عالم رکھتا ہے -

کس مصیبت میں تھی اوس دم مومنو جان نبی ؛ شمر تو سینہ پہ تھا اور انتظار فاطمہ

عزیز و قریب اطراف سے دیکھنے کو آنے لگے۔ غرض تقریباً ۲ و مہینہ تک اسی طرح بسر ہوئی پھر فکرِ معیشت لاحق ہوئی یہہ وہ زمانہ ہے کہ منشی نولکشور نے نیا نیا چھاپا خانہ قائم کیا تھا اور مضافات لکھنؤ کے سارے خوشنویس اور لایق فایق لوگوں کی پکار ہو رہی تھی آپ بھی یہاں اپنی خوشنویسی کی بدولت بیس روپیہ ماہوارے کے منشی مقرر ہو گئے۔ اور محلہ محمود نگر کو مستقل قیام سے اپنے سرفراز بخشا یہی وہ محلہ ہے جہاں آتش مرحوم رہتے تھے۔ لکھنؤ والوں میں دردانگیزی کے لحاظ سے جنابِ تسلیم کا کلام آتش سے کسی قدر ملتا جلتا ہوا ہے نسیم مرحوم نے بھی دردانگیزی میں لکھنؤ کے اساتذہ میں آتش ہی کو منتخب فرمایا تھا کہتے ہیں کہ ع

کلامِ آتشِ مرحوم سے بھی نالہ پیدا ہے :: نسیم آگاہ تھا کچھ وہ بھی درد آشنائی

اسی زمانہ میں نواب اصغر علیخاں نسیم دہلوی نے کہ کچھ عرصہ تک ملازم مطبع نولکشور بھی تھے رحلت کی بعد مرگ ناسخ و آتش انہیں کے دم قدم سے زبان اُردو کی ترقی لکھنؤ میں باقی تھی انکی موت نے اوس عہد کے بچے بچائے صاحبانِ فن کو بڑا صدمہ پہونچایا۔ یہی وہ نسیم ہیں جنکا یہہ دعوے مشہور ہے۔ ع

نسیمِ دہلوی ہم موجدِ بابِ فصاحت ہیں :: کوئی اُردو کو کیا سمجھیگا جیسا ہم سمجھتے ہیں

مرحوم نے مستعد و لایق و فایق تلامذہ چھوڑے جنمیں۔ عبد اللہ خاں مہر۔ منشی اشرف علی اشرف۔ شیخ امیر اللہ تسلیم۔ مرزا مچھو بیگ عاشق عرف ستم ظریف نامہ نگار اودھ پنچ وغیرہ منتخب روزگار لوگ تھے۔ استاد تسلیم نے مرگ نسیم کا غم اس قطعہ میں ظاہر فرمایا

کیا کہوں سوختہ جانی تسلیم :: داغ ہے سوز نہانی ہے ہے
چل بسے گلشنِ فانی سے نسیم :: رشکِ قدسی و فغانی ہے ہے
ہر طرف سے یہی آتی ہے صدا :: موجدِ شعلہ بیانی ہے ہے
منہ سے نکلی دمِ شیون تاریخ :: ناظمِ ملکِ معانی ہے ہے
۱۲۸۲

سفرِ دہلی کے موقع پر میں نے خاندان مومن و تسلیم کے رہے سہے لوگوں کی بہت تفتیش کی مگر کہیں کچھ پتہ نہ ملا تنگ و ناچار سر پیٹ کر رہ گیا۔ حضرت تسلیم فرماتے ہیں

بکہ مومن و نسیم دونوں کے لڑکے تھے معلوم نہیں کہاں ہیں کیا ہوئے۔
نسیم مرحوم کا ایک لڑکا محمد اسمٰعیل بیگ عرف بڑے مرزا منکوحہ بی بی سے
تھا اپنی دُلہن کو لیکر حج کے لئے گیا پھر واپس نہیں آیا۔ ایک دوسری عورت
مسماۃ تبولن کے بطن سے ایک لڑکا اور ایک لڑکی تھی یہہ لڑکا ابتدا ہی سے
مجنوں اور دیوانہ تھا۔ ابتک لکھنؤ میں ہے۔ کیا کہوں کہ اس سو برس میں
کس کس طرح زمانہ کا ورق اُلٹا اور کیا کیا ہوا۔ اب بوجہ کبر سن و ضعف
دماغ کچھہ یاد بھی نہیں رہا۔ نسیم کی موت نے اوستاد تسلیم کو اسقدر جسم
افسردہ کیا کہ عرصہ تک شعر و شاعری کو ترک کردیا لکھنؤ کے ایک مشاعرہ میں
شریک ہو کر یوں افسوس ظاہر کرتے ہیں۔ کہ ؎

مرگ اوستاد سے تسلیم ہوں زندہ درگو ؎ شعر کہتا بھی تو میں خستہ جگر کیا کہتا

جناب تسلیم کا بیان ہے کہ بعد مرگ آتش صرف نواب محمد تقی خانصاحب
سالار جنگی لکھنوی کا مشاعرہ باقی رہ گیا تھا یہہ سات سو ستاون روپیہ
کے وثیقہ دار اور ماہر فن رئیس تھے اکثر اہل کمال اور شعرا کے ساتھہ
بعد اختتام مشاعرہ کچھہ نقد و جنس سے سلوک بھی کیا کرتے تھے۔ انہیں میر کلو
عرش بھی تھے۔ یہ ہمیشہ نوابصاحب کے مشاعروں میں شریک ہوتے تھے
مگر کبھی طرح کی غزل بجز غیر طرح نہیں پڑھی اپنے کو میر تقی میر کا بیٹا کہتے تھے
افیون چڑ گئی تھی۔ افلاس کا طرہ تھا۔ بالکل گذر چکے تھے۔ اِنکے ساتھہ ہمیشہ
کم و بیش سلوک کیا جاتا تھا۔ اور خالی ہاتھہ کبھی رخصت نہیں کئے گئے
یہ وہی میر کلو عرش ہیں جنکی شاگردی پر لکھنؤ کے مشہور شاعر محمد جان شاد
مرحوم کو فخر تھا انکا یہہ شعر بہت مشہور ہے ؎ میر کلو عرش

آسیا کہتی ہی ہر صبح بہ آواز بلند ؎ رزق سے بھرتا ہی رزاق ہر اک کا

مصنف آبحیات نے بھی میر کلو عرش کی زندگانی کی تصویر کھینچی ہے جو
اُستاد تسلیم کے اس بیان سے مشابہ ہے۔

نواب صاحب ابتدا سے نسیم کے شاگرد تھے بعد انتقال اون کے اپنا کلام استاد تسلیم کو دکھلانے لگے۔ یہ ایک بڑا ذریعہ استاد تسلیم کی فارغ البالی کا ہو گیا بظاہر گو دس ہی روپیہ ماہوار دیتے تھے مگر صدہا نوازشیں تھیں کیونکہ بلحاظ تلمذ نسیم مرحوم نیز استاد ہونے کی حیثیت سے جناب تسلیم کا پایہ سب سے زیادہ بلند تھا یہی وہ نواب سعادت نشان ہیں جنکے حکم سے مرحوم نسیم کا دیوان جناب تسلیم نے ۱۲۸۵ھ میں مرتب فرما کر چھپوایا۔ افسوس کہ اس واقعہ کے تین ہی سال بعد نواب صاحب نے انتقال کیا اور باد مخالف نے استاد تسلیم کی فارغ البالی کے چراغ کو ٹھنڈا کر دیا۔ استاد نے مرگ نواب کی تاریخیں کہیں جنمیں ایک یہ بھی ہے۔

قطعہ

ترک ہستی گفت ہرگہ این بینوا مد آ ∴ از زمین تا چرخ شور و شیون و ماتم رفت
از پئے تاریخ تسلیم حزیں چون فکر کرد ∴ گفت دل نواب لاقدر ازین عالم رفت
۱۲۸۸ھ

مرحوم نسیم کی جانشینی کا شرف چونکہ استاد تسلیم کو حاصل ہوتا تھا اس لیے ابتدا ہی سے نسیم آپ کی طبیعت پر دل دادہ تھے۔ مثنوی نالہ تسلیم کی ترتیب کے وقت یہ تاریخ فرمائی تھی۔

چون نظم نمود این فسانہ ∴ تازہ گل من ز باغ تسلیم
گفت نسیم سال تصنیف ∴ قربان جمال فکر تسلیم

نواب صاحب نے بھی جو باوجود تلمذ نسیم آپ کو غزلیں دکھلائیں اوس کا سبب یہی تھا کہ اوسی عہد میں آپ نسیم کے قائم مقام تسلیم کر لیے گئے تھے جناب تسلیم کو نواب کے انتقال کا اسقدر سخت صدمہ ہے فرماتے تھے کہ ایک روز مرض الموت میں جب میں دیکھنے کو گیا تو فرمانے لگے چلتے ہیں پنشن روپیہ ماہوار اسکے وثیقہ سے آپکو ہمدرد میرے ورثہ میرے بعد آپ کو دیتے رہینگے یہ کلمہ اوسوقت اسقدر ناظم یاس میں ڈوبا ہوا تھا کہ بے اختیار میری آنکھ

سے آنسو نکل پڑے اور میں نے کہا میری ہمت گوارا نہیں کرتی کہ حضور نہ ہوں اور میں آپکے وثیقہ کی تنخواہ کھاؤں ۔ اس سے آپکی سچی قناعت کا ثبوت مل سکتا ہے ۔

ابھی چند سال ہوئے لکھنؤ میں نواب صاحب مرحوم کی صاحبزادی اپنی سسرال سے آئی ہوئی تھیں جناب تسلیم یہ سمجھکر کہ اب نواب کی یادگار یہی ایک باقی ہیں تشریف لے گئے تھے آپ کا نام سنکر پردے کے قریب بلوا لیا اور پیرانہ سالی اور پریشانیوں پر بہت افسوس کرنے لگیں کچھ روپیہ اور کپڑے تھان کے ساتھ رخصت کیا مرحوم نواب کے داماد کی بابت جناب تسلیم نے کہا تھا کہ اون کو شعر و شاعری سے تعلق نہیں وہ ایک اور ہی خیال کے آدمی ہیں شاید اونکو میری خبر نہ ہوگی ۔

بعد انتقال تسلیم و مرگ نواب آپکی طبیعت بہت افسردہ ہوگئی اور بطور یادگار طبع موزوں جو کلام غدر میں لٹ لٹا کر بچ گیا تھا بصورت کلیات جمع کرکے منشی نولکشور صاحب قدردان اہل کمال کے حوالہ کیا اور اونکے حکم سے وہ چھپکر مشہور دیار و امصار ہوا ۔ اس میں افکار اول کا حصہ گویا پہلے جو کچھ سنہ شعر کے غدر کے بعد موزوں فرمایا تھا مرتب کیا ہے ۔ اوس پر بھی فرط عجز سے کہتے ہیں کہ ندامت ہے عمدہ باتیں رہ گئیں

جب لکھنؤ قدردان رئیسوں سے خالی ہوگیا تو خداوند عالم نے نواب کلب علیخاں بہادر فرمانروائے رامپور کو مسند نشین ریاست کردیا ۔ سارے ذی علم لوٹ پڑے ۔ اوسوقت اون کے مستقل درباری شعرا میں بحر ۔ فخر التلامذہ ناسخ ۔ صبا ۔ اسیر ۔ امیر ۔ منیر ۔ داغ ۔ جلال ۔ سحر ۔ عروج ۔ جوہر ۔ قلق ۔ رسا ۔ منصور وغیرہ موجود تھے ایک روز نواب صاحب نے [illegible] منیر [illegible] تسلیم [illegible] دربار میں پوچھا کہ تسلیم کہاں ہیں چنانچہ کسی نے کہا کہ [illegible] لکھنؤ میں ۔ آپ نے فرمایا کہ بلوا لیجیے ۔ یہاں تک

کہ حضرت امیر مینائی نے آپکو طلب کرلیا اور آپ اول اول بزمرہ شعرا تیس روپیہ ماہوار کے نوکر ہوئے دو سو روپیہ عید کے موقع پر ملا کرتے تھے۔ علاوہ اس کے اوسوقت دربار کی کچھ اور تھا۔ صدہا عنایتیں تھیں۔ میرے خیال میں اوسوقت کا رامپور صرف دارالسرور ہی نہ تھا بلکہ دربار اکبری کا جواب تھا۔ ہر فن کے اہل کمال جمع تھے بالخصوص شعرا کو بڑا فروغ تھا اس جلسہ میں جہاں چار طرف لکھنؤ والے اور زیادہ تر ناسخ و آتش کے نام لیوا یکگونہ بھرے پڑے تھے، دلی والوں میں داغ نے بھی اپنا رنگ بدل ڈالا تھا ایک قدیم دلی کے مٹے مٹائے رنگ کا پیرو جو اپنی طولانی عمر کے لحاظ سے بھی سب میں ضعیف الدماغ ہوگا کسطرح ممتاز ہوا تعجب ہے بجز اسکے کہ مومن کا روحانی فیض یا افضال ایزدی اور کیا کہا جاسکتا ہے۔ اُن سارے اساتذہ کی زبان پر آپکا نام جب آیا لفظ اوستاد کے ساتھ آیا جسنے کہا تسلیم نہیں کہا بلکہ اوستاد تسلیم ہی کہا۔ رفتہ رفتہ آپکے یہ سارے ہمزبان اُٹھ گئے۔ اور صرف امیر۔ داغ۔ جلال۔ تسلیم۔ رہ گئے اسی زمانہ کے لوگوں نے ان چاروں کو زبان اُردو کا اربع عناصر کہا ہے جنمیں تین چل بسے آپ ایک رکن آخر باقی ہیں۔

غرض نواب کلب علی خاں بہادر نے بعد چندے آپکی قابلیت کا اندازہ فرماکر ناظر عدالت پیشکار۔ مدرس۔ ڈپٹی انسپکٹر مدارس وغیرہ کے مختلف عہدوں پر معمور فرمایا تنخواہ میں ترقی بھی تیس ۳۰ سے پچاس تک ہوئی۔ یہ عہد آپ کے لئے نہایت ہی مبارک تھا۔ اور اچھی طرح بسر ہوئی جسکو اپنے آخر زمانہ میں برطرفی کی خبر سنکر یوں روتے رہے۔ ہائے

تسلیم عہد کلب علیخاں گذر گیا ::: جھوٹوں بھی اسکو کوئی نہیں پوچھتا مجھے
کبھی موقوف ہیں تسلیم پاتے ہیں کبھی تنخواہ ::: پس کلب علیخاں خارج و داخل میں رہے ہمیں

گرامی نامہ تسلیم مشفقی محبی منشی ضمیر الدین احمد صاحب زاد عنایتکم۔ بعد سلام مسنت الاسلام

سے مظہر مدعا ہوں سب طرح خیریت ہے صحت و عافیت آپکی ایزد تعالےٰ
سے چاہتا ہوں ۔ میرا حال ابتک بدستور ہے تخفیف کی فہرست میں نام
لکھہ گیا ہے مدار المہام صاحب نے منظور فرمالیا ہے نواب صاحب بہادر
کی منظوری باقی ہے سنا جاتا ہے کہ ۱۸ اکتوبر ۱۹۰۰ء کو احکام جاری ہونگے
جسکا آپ و اللہ ہوگا رہیگا باقی موقوف ہو جاینگے ۔ میں بھی حکم کا منتظر
ہوں ۔ منشی امیر احمد صاحب یہاں سے بھوپال گئے وہاں کچھہ دن ٹہر کر حیدرآباد
دکن تشریف لے گئے دیکھیئے آتے ہیں یا وہیں قیام کرتے ہیں ۔ شبیر احمد میرا
شاگرد ہے وفا تخلص ہے ایک معمولی آدمی ہے دو چار دیہات سرکاری
اوسکے پاس بطور مستاجری کے ہیں اور کہنڈسار جسمیں شکر بنتی ہے یہ بھی ہے
دس پانچ آدمی نوکر ہیں اوسی کے ایک مکان میں قیام میرا بھی ہے ۔ ہرچند
اوسنے بمقتضاء ہمت خورد و نوش وغیرہ کی نسبت بہت کچھہ کہا مگر میری غیرت
نے نہ چاہا کہ باوجود قدرت کسی کی روٹی پر پڑوں ۔ کچھہ قرار پا گیا ہے وہ
نقد دیدیتا ہوں کہانا کہا لیتا ہوں ۔ یہہ اوسکے خلاف مزاج ہے مگر بمجبوری
لیتا ہے ۔ اگر یہاں نوکر رہ گیا تو مکان علیحدہ لیکر رہونگا ۔ اور بسر اوقات
کے لیئے کوئی آدمی یا نانبائی نوکر رکہونگا ۔ ورنہ جہاں آپ و اللہ لے جائے گا چلا
جاؤنگا ۔ اور بدقسمتی کہ تیرہ روپیہ ماہوار ریاست منگرول سے مقرر تھے وہ بھی
موقوف ہو گئے ۔ اور تنخواہ برطرفی بھی نہیں ملی ۔ کیونکہ ریاست میں روپیہ نہیں
اور نہ کچھ لاکھہ روپیہ قرضدار ہے ۔ سولہ مہینہ کی تنخواہ چاہیئے مگر امید ملنے کی نہیں
وہاں کے میر منشی کا نام محمد اصغر علی خاں ہے پیرو نجات کے خطوط انہیں
کے پاس جاتے ہیں رامپور کے رہنے والے ہیں ۔ ابھی آئے تھے مجھہ سے
ملے بھی تھے میں نے اون سے بھی اپنی تنخواہ کی نسبت کچھہ ذکر نہیں کیا نواب
منگرول نے پہلے بڑی اولو العزمی کی جب ہندوستان کے صاحبان فن کا مجمع
ہو گیا تو کمی کرنے لگے غرض ایسی پریشانیوں میں ہوں کیا کیا لکھوں ۔

امیر اللہ از رامپور ۲ ستمبر ۱۹۰۶ء

اس تحریر کی تصدیق دیوان دوم استاد تسلیم کے صفحہ ۳۵۶ کی عرضداشت سے بھی ہوسکتی ہے - یہ اوس زمانہ کی حالت ہے جب نواب کلب علیخاں صاحب چل بسے - اور نواب حامد علی خاں فرمانروائے حال مسند نشین ریاست ہوئے - اسی زمانہ کی بابت حیات تسلیم مطبوعہ لاہور میں یہ عبارت لکھی گئی تھی (بات یہ ہے کہ نواب حامد علیخاں بہادر خلد اللہ ملکہٗ والی رامپور کو وہ شوق نہیں) اس جملہ کی تردید ہمارے شفیق حال شہزادہ صادق صاحب دیباچہ دیوان سوم حضرت تسلیم میں یوں کرتے ہیں (ممکن ہے جسوقت حیات تسلیم کو عرشی صاحب نے تالیف کیا ہے اوسوقت تک حضور پر نور دام اقبالہم کو توجہ نہو مگر اب تو جو قدر و منزلت شعرا کی اس دربار میں ہے آج ہندوستان میں کہیں نظر نہیں آتی - یہی وجہ ہے کہ اس زمانہ کے منتخب شوخ طبع شاعر آج رامپور میں بکثرت موجود ہیں - اور باوجود توقیر سرمشاعرہ استاد تسلیم کی اعلیحضرت نے فرمائی ہے وہ احاطہ بیان سے باہر ہے) بلاشبہ یہ امر مان لینے کے قابل ہے کہ نواب صاحب بہادر نے جناب تسلیم کی کمخواری قدیم کا صلا مناسب عطا فرمایا - مگر قدردانی شعرا سے میرے خیال میں اوس زمانے کے اعتبار سے رامپور آج بھی خالی ہے - سوائے کمال صاحبزادہ جلال مرحوم اور حیات بخش صاحب رسا کے معقول تنخواہ کسی کی ہے - وہ بھی سنا جاتا ہے کہ کمال نے قبل از وقت عین جوانی میں انتقال کیا اور باپ کا نام روشن کرکے چلے گئے - اب دیکھیں مرحوم جلال کا جانشین کون پیدا ہوتا ہے -

خدا وہ دن کرے کہ نواب صاحب بہادر واقعی قدر دان اہل کمال ہو جائیں اور کم سے کم علامہ حضرت شمشاد مرزا اوج خلف دبیر فصاحت لکھنوی وغیرہ کو معقول قدردانی کے ساتھ دربار میں طلب کرائیں کہ یہ لوگ

دبیرینہ یادگار باقی ہیں جس زمانہ کی ناقدردانیوں پر میں معترض تھا اوسکے متعلق ایک مقطع مناسب حال اوستاد تسلیم کا یاد آگیا ہے

تسلیم عہد کلب علیخاں گذر گیا ❊ تم بھی تھے ورنہ اہل سخن کی شمار تہ

ظاہر ہوا کہ آج وہ کیسی شمار میں نہیں ہیں - صادق صاحب سے ملاحظہ کو جناب تسلیم کی ایک تحریر پیش کرتا ہوں -

(از گرامی نامہ تسلیم) محبی مشفقی زاد عنایتکم بعد سلام سنت الاسلام کے مظہر مدعا ہوں - میں ٹونک گیا تھا وہاں میرا اک دوست ڈاکٹر ظفر محمد خاں سکا بیٹا مسمے وزیر محمد خاں تھا بہت سر برآوردہ اور میرا قدردان تھا جب میں وہاں پہونچا تو معلوم ہوا کہ اوسکا انتقال ہو گیا سخت مجبور ہوا ہر چند اور ذریعہ ڈھونڈا مگر دستیاب نہ ہوا - ناچار گیا رہویں روز پھر رامپور واپس آیا

محمد امیر اللہ تسلیم ۲۶ ہر اگست سنہ ۱۹۰۰ء

صادق صاحب کے اطمینان کے لیئے ایک اور سہی (از گرامی نامہ تسلیم) مشفقی محبی زاد عنایتکم - میرا مقدمہ ابھی تک بدستور ہے نواب صاحب بہادر کو اللہ تعالے نے فرزند ارجمند عطا فرمایا ہے - اوسکا جشن اور خوشی ہو رہی ہے - چنانچہ ایک مہینہ سے تعطیل ہے - کچہریاں بند ہیں - کبھی کبھی بغرض کار ہائے ضروری کہل جاتی ہیں - اسیوجہ سے وہ کاغذات پیش نہیں ہوئے دیکھیے کیا ہوتا ہے - منشی امیر احمد صاحب حیدر آباد دکن تشریف لے گئے تھے وہاں علیل ہو کر راہی جنت ہوئے ایک ہفتہ ہوا تار آیا تھا - نواب صاحب حیدر آباد سے نوبت ملاقات نہیں آئی - افسوس بڑا کامل فن اوٹھ گیا نواب مرزا صاحب داغ بھی سخت علیل ہیں اونکے بھائی یہاں سے اونکی طلبی کا تار آیا تھا یقین ہے گئے ہوں -

رقیمہ نیاز امیر اللہ تسلیم ۲ ہر اکتوبر سنہ ۱۹۰۰ء

ایک تحریر اور تاکہ صادق صاحب کو مطلق میری تحریر پر شک نہ رہے -

(از گرامی نامہ تسلیم) محبی مشفقی زاد عنایتکم - بالفعل میرا تعلق اُس ریاست سے

جاتا رہا سخت تردد ہے کہ اسوقت کہاں جاؤں۔ ارادہ ہے کہ منگرول ملک کاٹھیاواڑ کو جاؤں یا بھوپال جا کر تلاش معاش کروں۔ تنخواہ بہی ابھی نہیں ملی اوسیکا انتظار ہے اور کیا لکھوں۔ رقیمہ نیاز محمد امیر اللہ تسلیم ۱۰ جولائی ۱۸۹۰ء

اب بھی اگر صادق صاحب میری صداقتِ تحریر پر ایمان نہ لائیں تو اور بات ہی غرض نواب مرزا خانصاحب داغ۔ اور جناب امیر کے ترک رامپور کے بعد آپ بھی آخر ناقدردانی کے ہاتھوں تنگ اور پریشان ہو کر تلاش معاش میں منگرول آئے۔ یہاں باوجود مقروض ہونے کے نواب شیخ حسین میاں صاحب نے پچاس روپیہ ماہوار اور خرچ پر روکنا چاہا۔ مگر رامپور کی ازلی قدردانی اور دیرینہ احباب کی محبت کب چھوڑتی تھی غیرمانوسی خلقت اور سمندر کے کنارے کی آب وہوا کی خرابی وغیرہ کا عذر پیش کر کے پھر رامپور چلے گئے اور تھوڑے عرصہ تک نہایت درجہ پریشان رہے جسکا لکھنا تطویل لاطائل ہے۔ اب دریائے رحمت جوش میں آیا اور اس بیکسی میں غیب سے صورتیں پیدا ہوگئیں والی حال نے فرزند ارجمند کی ولادت کی خوشی میں لوگوں کی برطرفی روک دی۔ جب نواب صاحب بہادر سفر انگلینڈ سے واپس ہوئے اوستاد تسلیم نے اپنا منظوم سفرنامہ سرکار رامپور کہ پچیس ۲۵ ہزار پانچسو اشعار کا دفتر تھا دربار کے موقع پر پیش کیا اور دم آخر بھی دعاگوئی اور معجزبیانی کو ہاتھ سے جانے نہ دیا افسوس کہ قبل اسکے کہ اسکا صلا ملے آپ کشش دربار سے تنگ آ کر محروم واپس چلے آئے وائے پیرانہ سالی۔ جب تلاش ہوئی نہ ملے اور جب دوبارہ حاضر ہوئے تو حکم احکام جاری ہو چکے تھے کسی نے اس خزینۂ جواہر کو بھی اوڑالیا آخر عالیجناب صاحبزادہ مصطفےٰ علیخاں صاحب بہادر پرائیویٹ سکرٹری کے طفیل سے یہ کتاب مع درخواست پھر پیش ہوئی اور سرکار والاتبار نے مقررہ تیس ۳۰ روپیہ پر دس ۱۰ روپیہ اضافہ فرما کر چالیس روپیہ ماہوار بطور

پنشن مقرر کر دیا - اور نواب عالی گہر نے پوچھا کہ تسلیم کیا چاہتے ہو اتنے بڑے باوقعت اور صاحب اختیار نواب کو آپ نے یہ جواب دیا کہ حضور ایک اندو روزینہ تو میرا خزانہ ازلی سے مقرر ہی ہو چکا ہے ہیں اور کیا کہوں ہاں تمنا یہی ہو گی اگر زیارت حج کے اداکاری کا سامان فرما دیا جاوے - اسکا جواب اس مدبر ملک کی طرف سے یہ ہو گیا کہ ایسے نحیف القویٰ اور کبرسن خدا آدمی کو حج کے لیئے بھیجنا گویا اپنے ہاتھ سے کھونا ہے چنانچہ ۱۹۰۷ء سے اسوقت تک آپکو بطور پنشن چالیس ۴۰ روپیہ ماہوار ملا کرتے ہیں اور حاضری دربار کی معاف ہے - یہ جدید سفرنامہ لندن جو دوبارہ منظوم کیا گیا تینتیس ۳۳ ہزار شعروں کا مجموعہ ہے اسکے ساتھ ایک مجلد تاریخ کونسل اوف ریجنسی - اور ایک جلد تیمیم کرد تاریخ بدیع بھی پیش کی گئی تھی - صادق صاحب نے اوستاد تسلیم کی توقیر کی نسبت جو کچھ لکھا ہے وہ بالکل صحیح ہے اوسکی تصدیق اوستاد تسلیم نے تیسرے دیوان میں خود کی ہے

تسلیم

وہ راحت پا ئی ہو حامد علیخاں کی تصدیق ہے :: عجب کیا خلد میں بھی یاد مجکو رامپور آئے

ولہ

شکر ہے صد شکر میں نواب کے اب تک تسلیم :: عمر کی ہے بسر عزت و توقیر کے ساتھ

خدا وہ دن کرے کہ نواب حال کا ذوق سخن روز افزوں ترقی کرے انکے شعروں پر اوستاد تسلیم کی یہ رائے ہے ۔ از دیوان سوم حضرت تسلیم

اگر پوچھتا ہوں وہم وجد دل سے :: یہ دیتا ہے مجکو جواب اول اول

کہ نواب حامد علیخاں نے تسلیم :: کہی یہ غزل انتخاب اول اول

جناب تسلیم کی پنشن کے بعد بھی اونکا دل و دماغ ہوش و حواس سماعت و بصارت ایک ایک کرکے سب رخصت ہو گئے گویا امام الشعرا بشاہ جاہ کی صحبت ہی درہم برہم ہو گئی - اگلے یادگاران مومن و نسیم سب زیر زمیں چل بسے زمانہ موجودہ کے مذاق کی صورت سے اون کو یہ نفرت ہے کہ دامان کفو

سے منہ تک ڈہانک لیا۔ اوس شبستان سخن کی شمع سحری ایک ذات تسلیم رہ گئی جنکی نگاہ میں ہر وقت اجل پھرا کرتی ہے اگر کسی وقت ذوق ازلی اونکا مجبور بھی کر دیتا ہے تو کچھ کہکر وہ یوں ٹال دیتے ہیں کہ

کہیں تسلیم کیا ہم شعر اب تو وہ زمانہ ہے ❊ کہ صدہا بے پڑھے جاہل سخنور ہوتے جاتے ہیں

یہ عمر شریف اور حواس

عہد ولی و حاتم سے اوسوقت تک اُردو کے نامی اساتذہ میں جو عمر کہ آپ کو اللہ پاک نے عطا فرمائی میری یاد میں کسی اور کے حصہ میں شاید نہیں آئی اللھم زد فزد اسوقت کہ یہ کتاب زیر تالیف ہے کہ آپ کی صحیح عمر ۱۰۲ برس کی ہے۔ مگر ہوش و حواس لازمی میں مطلق فرق نہیں البتہ بصارت و سماعت میں بہت بڑا فرق آگیا اور اسی سے لائق تحریر و تقریر نہیں رکھا آپ کا آخری گرامی نامہ جو چند راز مرتبہ سے مملو ہے مجھکو ۲۸ ستمبر ۱۹۰۹ء کو ملا تھا اوسکا مضمون آخری یہ ہے۔

از گرامی نامہ تسلیم۔ میرا ضعف بصارت اور ثقل سماعت حد سے بڑھ گیا دیوار بن گیا ہوں۔ یہ خط اٹکل سے لکھا گویا چند لکیریں کھینچدیں۔ کچھ نہیں پڑھا گیا کہ کہاں صحیح لکھا اور کہاں کون لفظ رہ گیا۔ امیر اللہ تسلیم

اس تحریر کے بعد کوئی تحریر دست خاص کی مجکو نہیں ملی ہرچند کوشش کی۔ مگر تعجب ہے کہ اس صدسالہ عمر میں آپ جو فرماتے ہیں یاد رکھتے ہیں جب کوئی دوست ملنے آتا ہے تو لکھوا دیتے ہیں۔ گرچہ معذوری اس مقطع سے ظاہر ہے

سو برس کی عمر میں تسلیم کیسی شاعری ❊ اب دل کو نظم کی خواہش نہ انشا کی ہوس

بہر حال جو کچھ کہہ لیتے ہیں اوس اعتبار سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ جسطرح اُردو زبان کے شعرا میں عمر کا بڑا حصہ آپکو ملا۔ دل و دماغ بھی اللہ تعالے نے ویسا ہی عطا فرمایا۔ ورنہ یہ عمر وہ ہے کہ انسان اپنے سے کروٹ تک نہیں بدل سکتا۔

اس عمر طولانی کے بڑے حصہ کو آپ نے لکھنؤ اور رامپور میں گذارا اور ہر گرم و سرد زمانہ میں شاکر اور صابر رہے۔ بعد انتقال داغ و امیر احباب دکن سے آپ کو اکثر طلب کیا مگر صرف اس مطلع پر معذرت چاہی کہ

میرے دلمیں تمنائے دکن کچھہ اور کہتی ہے ؛ مگر یاد امیر بے وطن کچھہ اور کہتی ہے

ہائے اس میں شک نہیں کہ منشی امیر احمد صاحب اس زمانہ آخر میں آپکے بڑے صاحب فن دوست تھے۔ پھر ہم پیشہ و ہم مشرب و ہمراز کی موت تھی کسطرح صدمہ عظیم نہوتا۔

میں لکھہ چکا ہوں کہ ۲۴ ر اگست سنہ ۱۹۰۹ء سے اسوقت تک کوئی تحریر اوستاد تسلیم کے دست خاص کی میرے نظر افروز نہیں ہوئی۔ ہمارے دیرینہ عنایتفرما جناب ناظر محمد یار خاں صاحب جنکے مکان میں اوستاد تسلیم کا اب قیام ہے اور برابر حاضر و غائب وہ اونکے غمخوار ہیں جواب عریضہ دیا کرتے ہیں بوجہ پیرانہ سالی مجھکو چنداں کاوش بھی نہیں ہوئی کہ وہ خود ہی تحریر فرمایا کریں مگر اکتوبر سنہ ۱۹۱۰ء میں چند شبہات کے جواب کی ضرورت لاحق ہوئی اور چاہا کہ دم آخر تبرکاً کچھہ کلام تازہ اپنا بغرض اصلاح بھیجدوں چنانچہ بھیجا۔ تو بہت اصرار پر ناظر صاحب کا یہ عنایت نامہ صادر ہوا۔

جناب والا زاد عنایتکم سلام علیکم۔ جناب کا خط معہ رباعیات و غزل پہونچا حضرت اوستاد کو سب سنا دیا اب اونکی سمع و بصر میں بہت فرق آگیا ہے اوستاد سے پڑھا نہیں جاتا۔ میں نے بہت اصرار سے آمادہ کیا ہے کہ جواب خط میں لکھدونگا آپ بطور ثانی جسطرح ہو دو سطریں لکھدیجئے۔ وہ جب لکھتے ہیں تو ایک حرف کے دو دو حرف ہو جاتے ہیں۔ اور الفاظ پر لکھدیتے ہیں۔ کبھی شعر کہتے ہیں تو یاد کے واسطے انکل سے کچھہ لکھہ لیتے ہیں پھر دوسرے وقت اوسکو کسی سے صاف کرا لیتے ہیں۔ اچھے شعر دیکھے۔ شعر

بگڑ کر یہ صحرا میں دکھلائی آنکھہ ؛ ہرن بھی وہاں سے ہرن ہو گیا

کی بابت کہا کہ اس محاورہ پر عرشؔ کا شبہ صحیح ہے اوسکے لئے یہ بہت اچھا ہے اگر نشہ والے کو کوئی کہے کہ نشہ ہرن ہوگیا یعنی نشہ جاتا رہا اور ہرن کے واسطے بھی کہہ سکتے ہیں مگر چلے جانیکے واسطے عام کے لیئے ٹھیک نہیں نشہ کے لیئے خاص کر بہت موزوں ہے اور کہا کہ تمہاری رائے سے اتفاق ہے کل پرسوں تک اونکے قلم سے آپکے اطمینان کے واسطے خط ارسال ہوگا اور سب خیریت ہے یہ کارڈ جوابی آپکا مدت کا آیا ہوا تھا اسی پر اسوقت عریضہ ارسال ہے اوستاد سلام علیک فرماتے ہیں ۱۱ر اکتوبر سنہ ۱۹۱۰ء

محمد یار خاں از رامپور

اسکے بعد گرامی نامہ اور اصلاحی تحریر کا بہت انتظار رہا مگر بعد چندے وہ غزل بعینہٖ واپس آئی اوسکے ساتھہ بلبل تسلیم صبر رامپوری کا ایک خط تھا وہ یہ ہے
مخدومی مکرمی جناب بھائیصاحب آداب عرض ہے ۔ والانامہ پہونچا آگہی پائی قبلہ اوستادی مدظلہ العالی نے آپکی غزل معہ رباعیات کے سُنی مگر کیا کریں مثل دیوار ہیں نظر بالکل بیکار ہوگئی ۔ کانوں سے معذور ہیں دست و پا بھی بالکل بیکار ہیں چلنا پھرنا سب جاتا رہا غزل وغیرہ سنکر بہت خوش ہوئے ۔ اور کہا کہ ٹھیک ہے ۔ زیادہ غور سے دیکھنے کے قابل اب میں نہیں رہا یہی لکھدی ؎

صبر رامپوری

قولِ فیصل ۔ غرض اپنے طور پر میں نے اس شعر کو یوں بنالیا ہے ؎

بگڑ کر صحرا میں دکھلائی آنکھ ٭ ہرن کا نشہ بھی ہرن ہوگیا

چلیئے جھگڑا چکا ۔ اور اوس گرامی نامہ تسلیم کو جو ۲۲ر اگست سنہ ۱۹۰۹ء میں ملا تھا اوستاد کی تحریر آخری جانکر میں نے سطور سرمایۂ حیات رکھہ چھوڑا تھا مگر وہ تسلیم جسکی کل تک تحریر بھی نظر افروز ہوا کرتی تھی آج ایسے معذور ہوگئے کہ ہم محرومان دور افتادہ کے لیئے خواب و خیال ہیں ۔ خود فرماتے ہیں ؎

مرگ رک رکے دمِ پیری دم آنیکو کیا کہیئے ٭ جینے کا یہ عالم ہے مرجانیکو کیا کہیئے

ناظرین پر اونکی بے بضاعتی اور دماغی کیفیتوں کو میں نے صریح طور پر روشن کر دیا اب وہی مجھے بتلائیں کہ اس زمانہ میں اونکی تحریر یا تقریر پر اگر کوئی خود دماغ جاہل معترض ہو تو حماقت نہیں تو کیا ہے۔ شاید اپنی شہرت کے لحاظ سے اونکے سروں پر یہ جن سوار ہو گیا ہے۔ بہر حال میں جناب ظہیر دہلوی یادگار ذوق کا ممنون ہوں کہ انہوں نے از راہ حق گوئی اوس تحریر میں جو اغلاط احسن میں درج کرنے کو صبر صاحب کے پاس بھیجا ہے اوستاد تسلیم کے اوستاد مسلم الثبوت ہونیکا اعتراف کیا ہے معترضین کے اگر آنکھ ہوتی تو وہ اون مقطعوں ہی کو دیکھکر نادم ہو گئے ہوتے اور اعتراض کا قصد نہ کرتے۔ تسلیم سہ

بد حواسی یہ بڑھی ہے دم پیری تسلیم ؛ اب جو کچھ کہتے ہیں یار ونکو سنا لیتے ہیں

پھر فرماتے ہیں

نتیجہ سمجھے اے تسلیم بد حواسی کا ؛ اگر میری غزل میں نکتہ چیں کوئی خلل دیکھے

صبر صاحب کو بھی لازم ہے کہ وہ ایسے جھگڑوں سے باز آئیں اونکو اگر کوئی خطاب ملا ہے تو اس لیئے نہیں کہ وہ باعث فساد ہو

طریقہ اصلاح

راقم کو امیر۔ داغ۔ جلال۔ تسلیم۔ شمشاد سبکا طریقہ اصلاح کے دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ بلحاظ توضیح علامہ شمشاد کے عنوان اصلاح کو میں سب پر فوق دیتا ہوں مولانا ظہیر احسن شوق کو خدا جوار رحمت میں جگہ دے کہتے تھے کہ موجودہ اساتذہ لکھنؤ میں جو علمی قابلیت اور تحقیقات فن جناب شمشاد کو ہے کسیکو بھی حاصل نہیں اوستاد تسلیم بھی اس خیال کے معترف ہیں اور فرماتے ہیں کہ میں باوجود اپنی کبر سنی اونکو مخدوم مکرم جانتا ہوں۔ چنانچہ اوستادی حضرت شمشاد مدظلہ کا جب دیوان اول چھپا تو جناب تسلیم نے یہ تاریخ ارشاد فرما کر ملک پر علامہ شمشاد کی بابت اپنا خیال اسطرح ظاہر فرمایا کہ۔

زہے اوجِ کمالِ فکرِ شمشاد ؛ کہ از ادراک حدش عقل حیراں
بعلمِ شاعری یکتاے عالم ؛ ہوالا گوہری بہتنسل دوراں
پئے تاریخ کردم فکرِ تسلیم ؛ کہ باشد شیوۂ موزوں کلاماں
بگوشش از بالفِ غیب آمد آواز ؛ بگو دیوانِ استادِ سخنداں
۱۳۰۲ھ

مگر جناب تسلیم کے عنوانِ اصلاح کا ڈہنگ کچھ اور ہی ہے یعنی دو چار لفظوں کے ردوبدل میں شعروں کو چمکا دیتے ہیں۔ درد انگیزی۔ بلندیِ مضموں یہ حصہ انکا ہے۔ اور منتہی لوگوں کے اصلاح کے کام کے ہیں اسلئے کہ زیادہ تر حلِ تشبیہ اور وضاحت یہاں نہیں۔ اور مولانا شمشاد کے یہاں بال کی کھال نکالی جاتی ہے۔ متروکاتِ رشک کی پابندی الگ ہے وہاں۔ یہاں۔ واں۔ یہ۔ وغیرہ کچھ نہیں اونکا یہ خیال ہے کہ کچھ ہو عیب تو ہے اور شاگرد باخبر ہو جائے۔

میں نے اوستادِ تسلیم کو اول اول جب غزل اصلاح کو مرزاپور سے بھیجی تھی تو آپ نے یوں تحریر فرمایا۔

گرامی نامہ تسلیم۔ عنایت فرمائے دوستان زاد الطافکم۔ بعد سلام سنت الاسلام مظہر مدعا ہوں کہ آپکا عنایت نامہ مع ایک غزل کے آیا حال معلوم ہوا۔ پہلے میں شکریہ اس بات کا ادا کرتا ہوں کہ آپ نے عزت افزائی اور قدردانی کی راہ سے مجھے اس قابل سمجھا کہ ایسی بلند غزل کو میں بنظرِ اصلاح دیکھوں میں مراد آباد گیا ہوا تھا جب آیا تو آپ کا عنایت نامہ دیکھا۔ اسی وجہ سے جواب لکھنے میں دیر ہوئی۔ معافی کا امیدوار ہوں آپکے اصرار سے غزل میں دو ایک جگہ میں نے دخل دیا ہے اسکو دیکھ لیجئے میرے خیال میں آپکو چنداں ضرورت اصلاح نہیں۔

آپکا خادم امیر احمد تسلیم

خاکسار کی طبیعت اوس زمانہ میں منیر مرحوم کے کلام کی دلدادہ تھی اور رشک کے متروکات کی پابندی بھی اوستادی علامہ شمشاد مدظلہ کے حکم سے

کر لینا پڑی تھی اور ابتک ہی اور اسی قید کے ساتھ اوستاد تسلیم نے مستغیض

اصلاح فرمایا ہے۔

غیر اصلاح

رہیگا یاد اچھلنا وہ تن بسمل کا مقتلیں ؛ شفق سے جا ملا قاتل مرا لاشہ لہو ہوکر

اصلاح از اوستاد تسلیم

اچھلنا رنگ لایا تن بسمل کا مقتل میں ؛ شفق سے جا ملا قاتل مرا لاشہ لہو ہوکر

رنگ تصویر میں جو رنگ آمیزی اس حسن بندش کے ساتھ کی گئی ہے اوس سے شعر رنگیں ہو گیا ہے۔ سبحان اللہ۔ غیر اصلاح

چھپا صحرا میں چاکِ دامنِ مجنوں غبار اپنی ؛ خطوطِ نقش پا رہ رہ گئے تارِ رفو ہوکر

اصلاح

چھپا صحرا میں خاک اوسنے چاکِ دامنِ مجنوں ؛ خطوطِ نقش پا رہ رہ گئے تارِ رفو ہوکر

اس تعقیدی لغزش کو جس خوبی سے اوستاد تسلیم نے دور کیا ہے اوسکو تو مشق شاگرد ہرگز نہیں سمجھ سکتا ہے۔

غیر اصلاح - وہ مکانِ قاتلِ خونخوار ہے ؛ جسکی ہر زنجیر در تلوار ہے

اصلاح - وہ مکانِ قاتلِ خونخوار ہے ؛ جسکی ہر محراب در تلوار ہے

زنجیر اور محراب ان دونوں میں کیا فرق تھا وہ ظاہر ہے تلوار کی تشبیہ میں کسقدر آبداری آگئی ہے۔ فافہم

غیر اصلاح - آنکھ اونکی صورت منصور ہے ؛ اور جو تارِ نظر ہے دار ہے

اصلاح - اونکی پتلی صورت منصور ہے ؛ اور جو تارِ نظر ہے دار ہے

اس ایک لفظ کے رد و بدل میں کیا بات پیدا ہو گئی اسکی عینی شہادت کو پتلی کافی ہے۔

غیر اصلاح - مجکو اسی مجبور کر کے صورت دکھائی جائیگی ؛ جا لبوں پر مرتے دم دو گھونٹ پانی چاہیئے

توضیح اصلاح - جو کہا یا او رو کہا [illegible] میں ایک بحث طول ہے کیونکہ عبارت مقصد کی تابع ہے۔ نتیجہ مگر اکثر نے ایسا ہی لکھا ہے۔

غیر اصلاح - عرش وہ جھومتا ہوا دیکھو :: آرہا ہے شراب خانے سے
(آنے سے جانے سے طرح تھی)

توضیح اصلاح - مرکب لفظ کو ہندی کرنے سے ہمارے استاد نے منع کیا ہے، مفرد کو مضایقہ نہیں - جیسے فسانہ - مرکب لفظ میں جو واضع نے ترکیب دیکر معنی قرار دیا ہے وہ جاتا رہتا ہے - جیسے شرابخانہ بمعنی خانہ شراب و خانہ می - ہندی ہونے سے ترکیب مقلوب نہیں رہی -

چند فوائد سخن ::

یہ ساری بحثیں ملکی نفع کے لیئے کی گئی ہیں ورنہ چنداں ضرورت نہ تھی (از گرامی نامہ تسلیم) - محبی مشفقی زاد عنایتکم - بعد سلام مسنون کے واضح ہو دیوان آپکا پہونچا اور ایک لفافہ بھی آیا - کچھ میں نے دیکھا ہے کچھ باقی ہے - رمضان کے مہینے نے بیکار کر دیا روزہ میں کچھ موقع نہیں دن بھر روزہ - گیارہ بجے شب تک قرآن سننا شغل کر دیتا ہے - عنقریب دیوان آپ کا دیکھکر روانہ کرونگا - حسب دریافت عرض ہے کہ سورہ یسین و قصہ لقمان کے نون کا اعلان حالت اضافت میں جایز نہیں - اسکا یہ قاعدہ ہے کہ آخر میں نون ہو اور ماقبل نون کے حرف علت واقع ہو اور حرف علت کے ماقبل کی حرکت موافق نہو اوسوقت اعلان نون معہ اضافت جایز ہوگا جیسے دل فرعون محبت حسین - الفت سبطین - قبلۂ کونین - کعبہ دارین - دیکھو ان لفظوں میں حرکت ماقبل حرف علت کے موافق نہیں یہ قاعدہ مفصل پھر لکھونگا -

محمد امیر اللہ تسلیم

زمانہ ہوا میرے دیرینہ عنایت فرما حافظ فضل حق آزاد عظیم آبادی نامہ نگار اپنچ نے ایک غزل چھپوائی تھی - گرداب دیکھا ہے - سرخاب دیکھا ہے - اوسمیں ایک مصرع تھا - ع - رخ مہتاب پر چھٹتے ہوئے مہتاب دیکھا ہے - میاں یعقوب اوج نے جو اس عہد میں میرے معتقد تھے اس غزل پر غزل لکھی تھی اور

اور لاہور پنچ کے ذریعہ سے آزاد صاحب سے چھیڑ نکالی بالآخر قصہ طول ہوا۔ اور آزاد صاحب کو میرے اس نالائق شاگرد کے آگے خفت ہوئی۔

(گرامی نامہ تسلیم) مجی مشفقے زاد عنایتکم۔ بعد سلام سنت الاسلام کے مظہر مدعا ہوں۔ مہتاب بمعنی آتشبازی واقعی مونث ہے جو شعر آپ کے کسیکا لکھا ہے اوس میں مذکر لکھا ہے غلط۔ وہی ہے چاہیئے جن لفظوں کی جمع ی۔ ن۔ کے ساتھہ بنے وہ اکثر مونث ہے جیسے بلبلیں۔ دیواریں۔ وغیرہ

امیر اللہ تسلیم از رامپور ۲۴ دسمبر ۱۹۰۰ء

آزاد کی تحقیقات فن کی نسبت مولوی ظہیر احسن شوق نیموی کی طولانی بحثیں موجود ہیں۔ اتنا ضرور ہے کہ ہمارے صوبہ کے آزاد عظیم آبادی کی ذوات مولانا حالی یا اکبر حسین الہ آبادی وغیرہ سے کم نہیں انگریزی تراش کی نظمیں خوب لکھتے ہیں۔ ایشیائی شاعری اور تحقیقات فن اور چیز ہے فتنل بذر ایک بار میں نے جوبن بمعنی پستان نظم کیا تھا۔ امیر جناب تسلیم نے لکھا کہ بھائی دلی والوں کا یہ مذہب نہیں ہمارے یہاں یہ لفظ بمعنی حسن یا ہو البتہ منشی امیر احمد صاحب کے یہاں بمعنی پستان آتے ہیں اسکو ہمار طور حسن کے معنی میں جایز رکھتا ہوں۔ فافہم

ہمعصری اور احباب کی صحبتیں

باب ہمعصری میں نواب اصغر علیخاں نسیم کی مقبولیت لکھنؤ میں ناسخ مرحوم کے بعد ہوئی۔ شیخ امام بخش ناسخ جو لکھنؤ کی شاعری کے جان اور شعرا کے امام مانے گئے اونکا تذکرہ نسیم نے اپنے دیوان میں اکثر کیا ہے اور انصاف کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ ایک جگہ فرماتے ہیں ؎

ناسخ مغفور تھا استاد یگانہ نسیم ۔ لکھنؤ والوں میں وہ سب سے نرالا ہو گیا

ناسخ کے تلامذہ میں بحر۔ رشک۔ خواجہ وزیر وغیرہ جناب نسیم کے ہمعصر تھے اور بوجہ کبیر سنی جناب تسلیم بھی ان اصحاب کے ہمعصر کہے جا سکتے ہیں مگر

نسیم کی شاگردی کے لحاظ سے میں اوسکو پسند نہیں کرتا۔ مگر رشحات صفیر
بلگرامی میں جسکی ترتیب عہد غالب۔ و بحر۔ رشک و اسیر وغیرہ میں ہوئی تھی
اوس میں انہیں حضرات کے نام کے ساتھہ ساتھہ جناب تسلیم کے شعروں
کی بھی سند موجود ہے جس سے اوس عہد میں تسلیم کا مستند ہونا ظاہر ہوتا ہے
اگر یہ اونکے ہمعصر نہ ہوتے تو اونکا نام بھی امیر۔ داغ۔ جلال وغیرہ کی طرح
وہاں پر نہ ہوتا۔ یہ رسالہ غالب کی تقریظ سے سراپا مستند ہے کسی اور
کی تصدیق کی ضرورت بھی نہ تھی۔ بہرحال ان سارے وجوہ کے موجود
رہنے پہ بھی بخیال نسیم میں تسلیم کو تلق۔ قبول۔ برق۔ منیر۔ اسیر۔ رند۔ صبا
وغیرہ کا ہمعصر سمجھنا مناسب جانتا ہوں گو فرط عجز سے آپ نے اپنے کو ان تمام
صاحبان فن کا خادم تصور فرمایا۔ یہاں تک کہ اپنے ہمعصر اوستادبھائیوں کو
بھی اپنا مخدوم مکرم جانا۔ ہرچند کہ زمانہ تسلیم کر چکا کہ آپ خاندان مومن
و نسیم کے چشم و چراغ ہیں۔ مگر منشی اشرف علی صاحب کو نسیم کا شاگرد
اول سمجھکر ہمیشہ واجب التوقیر خیال کرتے رہے۔

از گرامی نامہ تسلیم۔ عنایت فرمائے دوستان زاد الطافکم۔ بعد سلام مسنون
کے متظہر مدعا ہوں منشی اشرف علی صاحب خوشنویس نسخ و نستعلیق منشی
نولکشور کے قدیم ملازم ہیں اور مرزا نسیم مغفور کے شاگرد اول۔ بہت کچھ
کہا ہے لکھنؤ اشرف آباد میں رہتے ہیں۔

امیر اللہ تسلیم

اکثر یہ بھی فرمایا کہ منشی اشرف علی کا پایہ تلامذہ نسیم میں بہت بلند ہے
بندہ خدا نے بہت کچھ کہا مگر لکھنے سے بنتے بند ہے پڑے ہیں اگر کلام
اونکا جمع کیا جاتا تو دو تین دیوان ہوتے۔ (منشی صاحب موصوف کو میں نے
بھی لکھنؤ میں دیکھا تھا آدمی منکسر تھے چند سال ہوئے کہ لکھنؤ کا یہ شخص جسکا
کمال نہایت گمنامی کے ساتھہ دنیا سے اٹھہ گیا۔ حیات تسلیم مصنفہ ... لاہور
میں جو انکو مصطلحات زبان اردو کا مصنف غلطی سے بتلایا گیا ہے وہ ...

اشرف علی نہیں ہیں وہ ایک دوسرے بزرگ کشمیری تھے اور وہ اخبار کے عملۂ صحت میں عرصہ تک رہے) منشی اشرف علی صاحب کی کہی ہوئی تاریخیں متعدد و کتبہاے قدیم مطبوعہ مطبع نولکشور میں موجود ہیں عاشقانہ شعروں کے لحاظ سے مجھے صرف یہ دو شعر یاد ہیں ؎

روح نکلی تن سے جب بیکل ہوئی :: یوں شبِ فرقت کی مشکل حل ہوئی
دید کی حسرت رہی دل میں میرے :: تیغ ابرو سے لٹا گھایل ہوئی

انکی نسبت علامہ حضرت شمشاد لکھنوی مرحوم فرماتے تھے کہ میں نے صغیر سنی میں شیخ امیر اللہ صاحب تسلیم کے ساتھ دیکھا تھا۔ آدمی غایت خلیق تھے پرانی وضع کے لوگوں کا کیا کہنا۔ کہتے ہیں کہ ان دونوں صاحبوں کو لکھنو چوک میں ایک کتب فروش کی دوکان میں بیٹھا ہوا دیکھا مجھکو دیکھکر کہنے لگے کچھ شعر اپنے پڑھو اونکے اصرار پر جو کچھ یاد تھا میں نے پڑھ دیا کہنے لگے کہ یہ لڑکا ایک زمانہ میں بڑا ماہر فن ہوگا۔ چنانچہ واقعی خاندان ناسخ میں آپ کی ذات منقطع سخن ہے خود فرماتے ہیں ؎

تا حشر منقطع نہ ہو ناسخ کا سلسلہ :: شمشاد شاعری ہے اسی خاندان تک

نسیم کے شاگردوں میں اشرف۔ عبد اللہ خاں مہر۔ مرزا مچھو بیگ عاشق وغیرہ جناب تسلیم کے ہمعصر تھے مگر مقبولیت خداداد جناب تسلیم ہی کو حاصل ہوئی۔ اگر منشی واجد علی صاحب خوشنویس لکھنو اپنے بھائی جناب اشرف کا جسقدر کلام جو اونکے پاس ہے چھپوائیں تو اون کے خیالات کا اندازہ بھی ہو جائے گا اونمیں اکثر ذکر جناب تسلیم کا ہے اور ممکن ہے کہ اوسی بستی میں نواب اصغر علیخاں کے ہاتھ کے اصلاحی خطوط وغیرہ بھی ہوں۔ ان چیزوں کا اب زمانہ اور کسیطرح نہیں دیکھ سکتا ہے اسلئے کہ جو کچھ نوشتہ اونکا اوستاد نسیم کے پاس تھا معہ دیوان اصلاحی ۵۷ء کے غدر میں جب لکھنو سے نکلے تھے لٹ گیا۔ ایک پرزا بھی جناب نسیم کا باوجود تلاش نہ ملا اور اون کو نہایت افسوس

جناب تسلیم مرحوم کے دفتر خاص کے تلف ہونے کا ہے جسمیں مومن خانصاحب کی ہر قلمی تصنیف کی نقل ہی ہے جس میں بسیط بحث وجہ تشبیہ کی تھی۔ یہ وہ سفینہ تھا جو ہمیشہ مومن خاں صاحب کے نشستنے سے نکل کر کیسہ میں محفوظ رہا تھا۔ افسوس کہ قوم کی ناقدردانی سے یہ چیزیں عالم وجود میں آکر عنقا ہو گئیں ہائے

طوف ہر نخل کرینگے صفت گرد نسیم ؛ ہم پس مرگ بھی قربان گلستاں ہونگے

نسیم کے تلامذہ میں مہر کی بابت استاد تسلیم فرماتے ہیں کہ عبداللہ خاں مہر خلف مصطفے خاں۔ صاحب مطبع باتوقیر تلامذہ نسیم میں سے تھے۔ ان کو پہلے ناسخ کے ایک شاگرد کی شاگردی حاصل تھی جب نسیم لکھنؤ میں آئے اور انکی ورد انگیزی کلام کا شہرہ ہوا تو یہ بھی اسی باغ کے گل چین ہو گئے۔ زمانہ قیام کلکتہ میں نساخ سے خوب خوب چھیڑ رہی۔ کہتے ہیں کہ کلکتہ کے مشاعرہ میں جو کچھ پڑھا ہمیں سنایا تھا کچھ یاد نہیں صرف ایک مطلع مہر کا یاد ہے ؎

آپ لسانی و تقریر کی کیا لیتے ہیں ؛ ہم سخن ساز کو باتوں میں بنا لیتے ہیں

منشی اشرف علی صاحب کی نسبت کہتے ہیں کہ بعد مرگ نسیم محبت کی راہ سے ایک روز انہوں نے چند شعر مجھے سنائے تھے جب یہ مطلع پڑھا ؎

گو فصل گل آئی ہے۔ موئی جنبش نہ ذری ہی ؛ اللہ بڑا قہر ہے بے بال و پری بھی

تو میں نے کہا کہ بھائی۔ ذری نہ کہا کرو اسلئے کہ ذرا مخفف ذرہ کا ہے اسکو تمنے اور مخفف یہ یائے تانیث کر دیا۔ تو منشی اشرف علی نے اس مطلع کو اپنی غزل سے نکال دیا۔

جیسا کہ زمانہ قبل و حال میں معصروں کی چھیڑ چھاڑ مشہور ہے آپ نے ہمیشہ اس رشک فن میں اپنے دل کو رنج سے پاک رکھا کوئی صحبت کوئی جلسہ کوئی ماہر فن آپکے دور میں نہیں گذرا جس نے محبت کے ساتھ بسر نہو کی ہو آخر زمانہ آپکا رامپور کے مجمع ماہران فن میں گذرا جہاں ہر مزاج کے لوگ موجود

سے تھے یہاں تک کہ خدا بخشے حکیم ضامن علی صاحب جلال کو اپنی نازک مزاجی میں میر تقی مرحوم کے نام کو زندہ کرنے والے تھے انکے ساتھ گو شوق نہ ہوئی شاگرد تسلیم کا طولانی جھگڑا ہو گیا اس جھگڑے میں بھی جناب تسلیم نے مرحوم جلال کی محبت کو نہ چھوڑا اور اس فساد سے بالکل الگ رہے جب جلال ترک رامپور کے بعد لکھنؤ چلے گئے تو وہاں بھی جب کبھی استاد تسلیم گئے مرحوم سے ملتے جلتے رہے۔ غرض یہ کہ جناب تسلیم کا نخل نمایشی نہیں اپنے کو بوجہ کریم النفسی ہمیشہ بے حقیقت جانا اور شعر و شاعری کے اخباری جھیڑ جھاڑ میں اپنی ذات سے ہرگز شریک نہ ہوئے۔ اگر مقتضائے انسانی شاید اپنی عمر کے کسی حصے میں ایسا ہوا بھی ہو تو وہ رنج آپکا کسی ہوا کے جھونکے سے زیادہ نہ ہوگا۔ کیونکہ آپ نے حسن اخلاق کا نام بقائے دوام رکھا ہے اور اب تو شباب چل بسا ہر وقت زباں پر جاری ہے ان ہنگاموں سے یہی رہ گیا ہے ؎

چھوڑ دنیا کو سوئے ملک عدم چل تسلیم ؎ راستہ دیکھتی ہے گور غریباں تیرا

ان کے مزاج تک تو انکا کوئی بھی شاگرد نہیں پہونچا مگر ایمان کی یہ ہے کہ جب ایک جھگڑا انکے شاگردوں نے چھیڑا آپ نے برابر سمجھایا اور منع کیا اگر زمانہ جو اس میں بلبل تسلیم والی تکرار ہوئی تو وہ انکو بھی آپ نے روکا ہوتا۔ میرے ہوا خواہوں نے جو لاہور پنچ میں چند سال تک داغ سے چھیڑ نکالی تھی مجھکو اس کی بابت برابر کہا کہ کوئی کچھہ کرے تو الگ رہو۔ احباب میں بھی جب کبھی ایسی شکر رنجی ہوئی آپ نے ان میں رفع شر الجھ نمایش کے پہلو نکالے یہاں تک کہ عہد آغا علی شمس میں جو شکر رنجی درمیان زہرا و مشتری اور شمس مرحوم کے ہوئی تھی اوس میں اس فرقہ غیر مانوس کے نام فہمایش کا بھرا ہوا خط لکھکر مجھکو صلح ہوئے وہ نامہ نامی کلیات تسلیم میں موجود ہے اس قصے کی تشریح

یوں کہتے ہیں کہ - آغا علی شمس سے میری ملاقات تھی مرد شہر بخارا تھا نواب محمد تقی خاں سالار جنگ کے پاس اکثر آیا جایا کرتا تھا ایک شاہی محل کا داروغہ بھی تھا - زہرا و مشتری کو فارسی پڑھاتا تھا - زہرا نے آخر کو کسی سے لکھنؤ میں نکاح کر لیا اور مشتری رامپور میں دو سو روپیہ ماہوار کی نوکر ہو کر چلی آئی - اسی زمانہ میں وہ نامۂ منظوم میں نے لکھا تھا او سینا و تسلیم سے با وضع شخص نے یہاں پر صرف حافظ کے اس شعر کی تقلید کی ہے ؎

آسائش دو گیتی تفسیر این دو حرف است ؛ با دوستاں تلطف با دشمناں مدارا

آپ کے سامنے احباب کی بے فکریوں کا عجیب عجیب زمانہ گذرا - عہد میر علی اوسط رشک شاگرد رشید ناسخ میں جو استعارہ کی ہوا چلی تھی اور جس کی مخالفت جان صاحب ریختی گو نے کی یہ سب واقعہ آپ کے سامنے گذرا قائل کی شاعری کی بہار آپ نے خوب دیکھی - قائل ؎

چھڑا چلا فلک پہ بت خانہ خنگ کا ؛ چھوٹا ہے نیل گاؤ پہ کتا لفنگ کا

رشک کی مشہور غزل ؎

چاول الماس گوشت لخت جگر ؛ فرقت یار میں پلاؤ نہیں

اس کے مقابلہ میں جو متعدد اشعار جان صاحب نے کہکر رشک کے نام مشہور کیئے ؎

دور سے چھیچھڑے ہلاؤ نہیں ؛ رشک بیٹھا ہے بن بلاؤ نہیں

یا منیر مرحوم کے ایسے اشعار ؎ بیٹھ پہ تیرے پڑیں گر لی کی چھڑیاں تو سہی یہ سب آپ کے سامنے کی گلفشانیاں ہیں - آپ فرماتے ہیں کہ اسی زمانہ سے اہل لکھنؤ نے استعارہ کو ترک کرنا شروع کیا اور مرحوم رشک کہ تاویلات اور استعارہ کا بادشاہ تھا اپنی جدت کلام کی مقبولیت میں محروم رہا - رشک کو اس رنگ میں اسقدر دخل تھا

کہ جب منیر شکوہ آبادی خدمت ناسخ میں بغرض اصلاح گئے تو دو چار غزلوں کی اصلاح کے بعد اون کو رشک کے حوالہ کیا اور فرمایا کہ تجھکو اونہیں کی ذات سے فائدہ پھونچیگا۔ مرحوم منیر کی بابت فرماتے ہیں کہ شکوہ آباد کے تھے ناسخ کے بھی شاگرد تھے اور رشک کے بھی رامپور میں بزمانہ کلب علی خاں ملازم ہوئے اس سے قبل فرخ آباد میں اور اوس سے پہلے نواب علی بہادر کے ملازم رہے زمانہ غدر میں بجرم بغاوت کالے پانی بھیجدئے گئے تھے پھر وہاں سے رہا ہوکر آئے۔ طبیعت زبردست معلومات خوب تھی۔ ہر رنگ میں قادر تھے اپنے اوستاد کے رنگ میں بھی کہا کرتے تھے۔ دو دیوان انکے رامپور میں چھپے اب کم یاب ہیں۔ میں نے اونکے طبع دیوان کی تاریخ کہی تھی

قطعہ

زہے اوج مہر کمال منیر ✤ ملی اہل فن میں کسے شان یہ
چھپے تین دیوان ایک سال میں ✤ مرا جنکی نسبت ہے ایمان یہ
دل و دیدۂ اہل تحقیق پر ✤ فصاحت بلاغت کی ہیں جان یہ
کہا فکر تسلیم نے بہر سال ✤ چھپے خوب ہمشکل دیوان یہ

واجد علی شاہ کے مشاعروں کی بابت کہتے ہیں کہ جناب رشک بھی شریک ہوتے تھے۔ رشک نے ایک مرتبہ فارسی محاورہ میں پانی کا لفظ باندھا تھا بادشاہ نے کہا کہ جب پانی فارسی ہے تو اردو میں کیا کہینگے رشک نے کہا نم۔ بادشاہ نے فرمایا ابھی تک بچپن نہیں گیا (بچے پانی کو مم کہتے ہیں) بادشاہ کو یہ لفظی دست اندازی اسقدر ناگوار ہوئی کہ حکم دیا آیندہ رشک میرے مشاعروں میں نہ آیا کرے شاعری اور شاگردوں کی اس سے بدنامی ہے۔

جان صاحب کی بابت جناب تسلیم فرماتے ہیں کہ نواب عاشور

علی خاں کہ شجاع الدولہ کی اولاد میں نہایت سخن فہم رئیس تھے مگر کسی مشاعرہ کی کبھی شرکت نہ کی نہ کسیکو اپنا کلام سنایا۔ انکے یہاں جان صاحب۔ چرکین۔ مہتر۔ کہنڈی وغیرہ جمع ہوا کرتے تھے نواب صاحب مضحکہ کے شعر کہہ کر ان لوگوں کو دیدیا کرتے تھے اور یہ لوگ اس ذریعہ سے مشاعروں میں شریک ہو کر لوگوں کو خوش کیا کرتے تھے سنتے ہیں کہ جان صاحب قوم کے بڑھئی تھے۔ میر یار علی نام تھا۔ شرف الدولہ کے مکان کے متصل حسین آباد میں رہتے تھے۔ ان کو نواب عاشور علی خاں نے اوسی رنگ کا ریختی گو شاعر بنا دیا۔ آدمی بے علم تھے۔ نواب دروازہ کی آمد و رفت میں مشہور ہو گئے یہانتک کہ عہد کلب علی خانی میں رامپور آئے اور بیس روپیہ تنخواہ بھی سرکار سے مقرر ہو گئی۔ مگر محتاجی میں بسر ہوئی۔ ان کے لوگ ہنوز رامپور میں خراب حالت میں موجود ہیں۔ جان صاحب ایک بار بوجہ ہجو گوئی کے زیر عتاب واجد علی شاہ ہو گئے تھے شہر بدر کر دیے جانے کا حکم نکل چکا تھا چند مقربین کی سفارش سے حکم منسوخ ہوا۔ جان صاحب کے شاگرد بیگم کو ہمنے سنا تھا بہت خوب پڑھتے ہیں خبر نہیں کیا ہوئے کہاں گئے ریختی میں کمال ہے

امانت کو بھی جناب تسلیم نے خوب دیکھا۔ کہتے ہیں کہ یہ اندر سبہا واسوخت۔ ٹھمریاں وغیرہ بہت خوب کہتے تھے۔ فرماتے ہیں کہ ان واقعات کو زمانہ ہو گیا کہ اب اسکی یاد کچھہ سینہ میں باقی نہیں۔ (امانت کے بیٹے سید عباس حسن صاحب فصاحت ہنوز لکھنؤ میں موجود ہیں اور ہمارے غائبانہ مہربان خواجہ عبد الرؤف صاحب عشرت سیکرٹری انجمن اصلاح سخن کی تحریر سے اس زمانہ میں یہ ثابت ہوتا ہے کہ فصاحت لکھنؤ کے باآبرو شعرا میں داخل ہیں اللہم زد فزد۔)

وضع اور مذہبی عقائد

پرانی چال کی وضع نفاہت اور وجاہت سے مملو ۔ اب عمامہ باندھنے لگے ۔ پہلے دوپلڑی کلاہ رکھتے تھے کبھی چکہ دار ٹوپی رہی ۔ اچکن اور عبا پہنتے ہیں اور ڈھیلا ڈھالا پاجامہ ہمیشہ سے ۔ قد و قامت صورت شباہت پر سپاہیانہ دم خم ۔ اب ڈاڑھی زیادہ بڑھا دی ۔ پہلا فوٹو جو حیات تسلیم مطبوعہ لاہور میں چھپا اوس وقت تک ڈاڑھی اوسط درجہ پر تھی ۔

عقائد سنیہ حنفیہ کے ابتدائی عمر سے پابند ۔ صبر و رضا و قناعت جو شیوہ بزرگان قدیم کا تھا آپ میں پورے طور پر موجود ہے ۔ مکر و اہل مکر دونوں سے ازلی نفرت ۔ اسلامی پابندیوں میں مثل کوہ قایم و ثابت ۔ بعد نماز صبح و ظہر بلا ناغہ دو مرتبہ تلاوت قرآن اور کثرت درود شریف لازمی ۔ دوران علالت میں بھی نماز اور وظیفہ کو کبھی ترک نہیں فرمایا ۔ یہانتک کہ شدت مرض اور عالم بے ہوشی میں بھی زبان پر آیات قرآنی جاری رہے ۔ اب کا کیا ذکر ہے اسوقت تو آٹھ پہر درود و وظایف کا مشغلہ ہے جسکی عینی شہادت کو تیسرے دیوان کا فوٹو موجود ہے ۔ انگریزیت بھولے سے بھی آپکے دامن تک کبھی نہیں آئی ۔ یہانتک کہ فوٹو کیا بلا ہے اب اس زمانہ میں اوس سے بھی واقف نہ تھے ۔ جب خاکسار نے اول اول بڑی ضد کی تو آپ نے لکھا کہ بھائی میں شاہی زمانہ کا آدمی ہوں یہ بھی نہیں جانتا کہ فوٹو کس طرح کھینچتا ہے کیا ہوتا ہے پھر بھی تیسرے تقاضے پر رامپور کے ایک مصور کے پاس گیا تھا اوس سے خدا جانے کیوں تصویر نہ کھنچ سکی اس شرم سے بندۂ خدا نے ملاقات بھی ترک کر دی اب قصد ہے کہ مرادآباد جا کر تمہارے حکم کی تعمیل کروں ۔ یہانتک کہ سینکڑوں تقاضے پر آپ مرادآباد گئے اور سولہ روپیہ میں خدا جانے کس لٹیرے نے تین تصویریں کھینچ دیں جنمیں دو مجھے بھیجیں ایک کوئی اور لے گیا میں نے اس نایاب

سنے کو غنیمت جانکر بذریعہ حیات تسلیم مطبوعہ لاہور ایک تو مشتہر کر دیا اور ایک چوکھٹے میں لگا رکھی ہے ۔ اسی کو بغرض یادگار زمانہ میں نے ایک غزل میں منظوم بھی کیا ہے ۔ ؎

تسلیم کی تصویر ابھی ڈاک میں آئی ؛ اے عرشؔ وہ اوستاد کا جلوہ نظر آیا

اولاد و اقارب ۔

پہلی بی بی سے آپکے ایک صاحبزادے مسمّٰی بہ حافظ تجمل حسین ہیں ۔ یہ لکھنؤ محمود نگر قریب مقبرہ اسد شاہ ہنوز مقیم ہیں ۔ یہ حافظ قرآن تھے شباب کے لاابالی زمانہ میں بھول بھال گئے ۔ جسکا سخت صدمہ اوستاد تسلیم کو ہے وارستہ مزاجی کے سبب سے شادی نہیں کی ہمیشہ آزاد رہے ۔ علم مناسب ۔ باعتبار خوشنویسی کامل ہیں خط بہت صاف ہے اسی ذریعہ سے کچھ پیدا کر لیتے تھے اب آنکھوں کی معذوری سے جو بلحاظ عمر ہو گئی بوڑھے باپ کے بالکل محتاج ہو گئے شعر و شاعری سے انکو کوئی تعلق کسی وقت میں نہیں رہا ۔ اوستاد تسلیم پہلے سات روپیہ ماہوار بھجوا دیتے تھے اب کہ نواب والاجاہ نے پنشن مقرر کر دی ہے بارہ چودہ روپیہ ماہوار بھیجدیتے ہیں دوسری شادی جناب تسلیم کی لکھنؤ میں ہوئی ۔ یہ برابر رامپور میں ساتھ تھیں افسوس کہ کئی برس ہوئے دم پیرانہ سالی اوستاد تسلیم کو داغ مفارقت دیا دفعتاً ہیضہ میں مبتلا ہو کر قضا کر گئیں ۔ ذا غفر لہا ۔ اون کے انتقال کی تاریخ ہی ایک قدیم ماما اونکے ساتھ کی رہ گئی تھی بہت کچھ بعد انکے اوسنے حق نمک ادا کیا وہ غریب بھی اون کے بعد ہی چل بسی ۔ جناب تسلیم اب بالکل تنہا رہ گئے ۔ اس بی بی سے کوئی اولاد نہیں ۔

رشتہ داروں میں آپ فرماتے ہیں کہ میرے والد تین بھائی تھے ایک بھائی مسمّٰی محمد قاسم لاولد مر گئے دوسرے محمد اسمٰعیل تھے ۔ اونکے بیٹے کریم اللہ تھے اون کے دو لڑکے ہنوز موجود ہیں ۔ ایک قطب عالم قصبہ گونڈہ میں گھاگرہ

پارضہ ۵ روپیہ ماہوار کے محافظ دفتر ہیں دوسرے صاحبزادے بدر عالم مدرس اسکول انگریزی ہیں انکو للعہ ملتے ہیں قطب عالم صاحب کا ایک لڑکا ظہیر عالم نامی بی-اے میں تحصیل علم کرتا ہے - یہ سب خوشحال ہیں - مگر افسوس کہ کسی نے جناب تسلیم سے رکن خاندان کا نام روشن نہ کیا -

مدرس صاحب نے جنکا ذکر اوپر آیا مجھے یاد آتا ہے کہ طبع حیات تسلیم مطبوعہ لاہور کے موقع پر مجکو ایک گرامی نامہ لکھا تھا اور یہ ظاہر کیا تھا کہ گو جناب تسلیم کو یاد نہ ہوگا مگر میں اونکے عزیزوں میں ہوں - اور صاحبزادہ تجمل حسین کے سرفراز نامے تو برابر آتے ہیں اور میں اونکو بہر طور واجب التکریم جانتا ہوں اور ظاہر و مخفی تلامذہ اوستاد تسلیم سے عرض ہے کہ ہملوگوں پر اونکے حقوق ضرور ہیں انکا حاضر و غائب ادب اور خیال چاہیئے -

بجز ان حضرات کے نزدیک و دور کوئی اوستاد تسلیم کا باقی نہیں ہے آہ سے ذوق

اے شمع تیری عمر طبیعی ہے ایک رات ؛ رو کر اسے گذار کہ ہنس کر گذار دے

مجکو بڑا شکوہ عزیزان تسلیم سے ہے کہ اوستاد تسلیم کو جو اس زمانۂ آخر میں پیغمبر آخر زمان نظم یا ملک الشعرا ہیں اُن لوگوں نے نہ پہچانا نہ اونکی کسی نے خبر لی جسکے لیئے آج غیر آنسو بہا رہے ہیں اوسکا کوئی اپنا پرساں نہو - اس زمانہ میں جو لطف اہلیت و خدمت کہ انکے دیرینہ شاگرد جناب محمد یار خانصاحب ناظر عدالت رامپور کے ہاتھوں حاصل ہے کسی اور سے نہیں اور اس اعتبار سے اس اہل شاگردوں میں شاگرد نہیں کہہ سکتا بلکہ عصائے پیری - اور اولاد کہتا ہوں - خدا انکی عمر و اقبال میں برکت دے کہ اس بیکسی میں اوستاد کے لیئے آپ کی ذات غنیمت ہے -

فیض خواب -

آپ فرماتے ہیں کہ بعد انتقال نسیم میں نے اونکو کبھی خواب میں نہیں دیکھا میرے اس مطلع کی نسبت سے التسلیم

مر کے بھی شعلہ فشاں ہی دل پر درد ہمارا گرمیاں کرتا ہے اب تک نفس سرد مرا

جو کچھ مشہور ہے غلط ہے۔ نہ میں نے اسیر نسیم مرحوم سے خواب میں اصلاح لی نہ انکی بابت کبھی سے کوئی ذکر کیا جز نہیں کہ یادگار تسنیم میں یہ واقعہ کس شاگرد نے لکھ بھیجا۔ سوانح نگاروں کو ذاتی تحقیقات یا اور مختلف طور پر صحت کی عادت تو ہوتی نہیں معتبر خواہ غیر معتبر جس طرح پر جو سن لیا لکھ ڈالا۔

کہتے ہیں کہ روحانی فیض کا میں ضرور قائل ہوں ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ میں مثنوی صبح خنداں لکھ رہا تھا دیکھا کہ چراغ جل رہا ہے اور میں ایک مقام کو پڑھ رہا ہوں مومن خاں اسکنہم اللہ فی فرادیس الجنان تشریف لائے اور مجھے کہا کہ مطلب سے اسقدر دور ہے یہانتک کہ میری آنکھیں کھل گئیں اور میں نے مثنوی کو نکال کر دیکھا تو واقعی اوس مقام کے متعدد اشعار پسند نہ آئے اور میں نے اونکو نکال ڈالا۔ اس زمانہ کے لوگ خواب کو خیال تصور کرتے ہیں اور ایسی باتوں کو ضعیف الاعتقادی پر محمول فرماتے ہیں

کلام تسلیم

جناب تسلیم کی شاعری لکھنو کے خطۂ شاعر خیز میں پیدا ہوئی اسکی پرورش بڑے ناز و نعمت کے ساتھ نسیم یادگار مومن کی گود میں ہوئی جب یہ جوان ہوئی تو نسیم کا سایۂ عاطفت سر سے اوٹھ گیا۔ لکھنو والوں کی صحبت میں دلی کی سادگی میں کسیقدر طرحداری بھی آ گئی عہد غدر میں جہاں خلقت کی سلطنت لٹ گئی یہ بھی تباہ و برباد ہو کر گھر سے نکلی اور اپنے کہولت کے آخری زمانے میں رامپور آئی۔ یہاں کی آب و ہوا کسیقدر موافق تھی مگر پیرانہ سالی کا غلبہ ہوا یہانتک کہ اب سو برس کی بڑھیا ہے کبھی کبھی جوانی کی آن بان دکھا جاتی ہے اور یہ امر مسلم کہ اس عہد کے نوجوان سے دم خم میں رہے سہے بوڑھے اچھے ہیں۔ اب دیکھئے کہ اس غریب کی مٹی کہاں کی ہے۔

افسوس کہ مجموعہ افکار اول غدر میں ہمراہ اثاث البیت لٹ گیا ورنہ

اسکی ابتدا اور انتہا کی تفصیل کرکے ناظرین کو اسکی مختلف آب و تاب سے محظوظ کرتا مگر کیا کروں کیا مجھکو اس کے شباب کے آخری زمانے سے بحث کرنا پڑی جسوقت کلیات تسلیم مرتب ہوا۔ اسکو اگر زمانہ کہولت بھی کہوں تو زیبا ہے

آب و تاب قصائد۔ (در شان واجد علیشاہ)

منبر ہر شاخ پر پڑھتی ہی بیٹھی عندلیب :: خطبہائے مدحت واجد علی شاہ جہاں ہے
جسکی اد نے ریزش زر کی بدولت دہر میں :: مختصر ہی طول دامان زمین و آسماں ہے
پڑ گئی تھی ایک نگاہ مہر جو روز ازل ... :: آج تک ہی کاسۂ خورشید انور زرفشاں ہے
عادل و مسکین نواز و جہرم بخش و ظلم کاہ :: صاحب جود و سخا و دستگیر بیکساں ہے
نکہت افشانی و امان نسیم خلق سے :: ہو رہا ہے حلقۂ آغوش عالم عطرداں ہے
گر سنے تقریر روح افزا تو فرط شوق سے :: بلبل تصویر پھر گفتگو کھولے زباں ہے

طرز تغزل۔ در رنگ نسیم

ہمپہ احسان ہے مزار پاک کا :: خاک نے پردہ کیا ہے خاک کا
صورت شعلہ ہوں میں نازک مزاج :: ناز اٹھ سکتا نہیں پوشاک کا
اڑکے پہونچی آستان یار تک :: حوصلہ دیکھو ہماری خاک کا
ہوں وہ خود بیں سامنے ہنگام ذبح :: آئینہ ہے خنجر سفاک کا
وائے بیدردی نہیں کوئی شریک :: ماتم صبح گریبان چاک کا
مرگ سے شرم گنہگاری گئی :: روز و شب ہے منہ پہ دامن خاک کا

خوف کیا تسلیم روز حشر سے ::
گرد دامن ہوں شہ لولاک کا

عنوان غزل سرائی۔ در طرز اہل لکھنؤ

لکھا ہے بکلک مضمون صنعتہائے یزدانکا :: جواب دفتر گل ہر ورق ہے اپنے دیوانکا
تعلق مر کے بھی باقی رہا زلف پریشانکا :: ملاقسمت سے پھر دفن تختۂ سنبلستاں کا

ہنوز خطِ ہوئی۔ بوسہ لبوں کا کون پاتا ہی ؛ اجارے میں خضر کے اب ہے چشمہ آب حیواں انکا
بہ رنگ بوئے گل عریاں بسر کی باغ عالم ؛ سبکروحی سے تا ننا ٹھہا نہ ہے اپنی دامانکا
میں وہ آتش قدم ہوں گرمئ رفتار سے میری ؛ بنایا جا وہ صحرا کو رشتہ شمع سوزاں کا
اثر کرتی نہیں اسکے کو صحبت کیسی فطرت کی ؛ ہوا دامن نہ گرد آلودہ عکس ماہ تاباں کا
ادب آمیز ہی دستِ جنوں طرفہ تماشا ہے ؛ جھکا آتا ہے سوئی پا دامن سر گریباں کا

مقابل آج ہے تسلیم خستہ اہلِ معنی سے
خدایا آبرو رکھنا تصدق شاہ مرداں کا

طریقۂ منظم بطریق رباعی در زمانہ کتابت مطبع نولکشور

کوئی مخلوق ہوا زہد و عبادت کے لیئے ؛ کوئی پیدا ہوا عالم کی حفاظت کے لیئے
ہم سیہ نامہ تھے ماننِد قلم اے تسلیم ؛ آئے اس صفحۂ ہستی پہ کتابت کے لیئے

مثنوی نویسی میں آپ نے نعمت کے رنگ کی تقلید کی ہے متعدد مثنویاں لکھیں جو لکھنو والوں کے رنگ سے بالکل الگ ہیں۔ مثنوی نالۂ تسلیم عہد نسیم میں رقم فرمائی اور قصہ محمود غزنوی کو منظوم کیا جسکو شکوہ دہلوی وغیرہ نے بھی لکھا ہے عنوان بیان کا اندازہ اس باب سے ممکن ہے (سراپا)

جو دیکھی شکل اوس نور خدا کی	زباں مشتاق ہو صلے علیٰ کی	الٰہی پا گئے تشبیہ عوض خلل	لپٹ جاتی ہے تصویر خیالی
زباں محو جواب لن ترانے	نظر نا آشنا کی مہر یا نے	ستارہ ونکو سمجھکر چشم بینا	نہیں جسکو نکلتی ماہ سیما
چھپے حسن صفا کیا پیرہن کی	نظر آتی ہے شکل روح تن کی	بنا ہے شوق نازِ دلبری کا	سراپا ہے ابھی عالم پری کی
لکھے گر خامہ وصف موئے مشکیں	ہر اک نقطہ ہو نافہ آہوئے چیں	جبیں زلفوں سے کب بے نور افشاں	قریب صبح ہے شام غریباں
خم ابرو کی پیوستہ سے ہر دم	کھنچی ہے تیغ بہر قتل عالم	جو دیکھے رنگ چشم سرمہ سا لا	لکھے گر دور میں آہو ہے پیدا
کہاں قوس قزح ان پر گزشتہ نمودار	کہ دست دعا ہے بہر بیمار	کمند چشم و بنا لہ کھنچا ہے	لب آہو میں یا برگ گیا ہی
منور شب و دور رخسار و نحوا ہ	بشکل آفتاب و جلوہ ماہ	کہیں لب کیا تمر چی یاقوت ہے	خیال بوسہ لایا ہے غضب کا
زباں کو شکوہ تنگئ سخن ہے	نگہباں خال ہے زنداں دہن کی	نوا و در دنداں سے سراپا	زباں ہے آب گوہر میں شنا کی
اگر دیکھے گلو سے جلوہ افشاں	دیکھا لے پر صراحی اپنی گردن	یہاں تک ہے تماشا کہ آفریں	گراں ہے او نکا عکس گوہر گو

لکھوں گر وصفِ دستِ سرخ جاناں ۔ قلم نرگس ہو مثلِ شاخِ مرجاں ۔ دو پستاں یا حبابِ بحرِ ہستی ۔ شکم یا موجزنِ طوفانِ مستی
نہیں ہے نافِ ہنگامِ تماشا ۔ نظر آتا ہے عکسِ چشمِ بینا ۔ خیالِ نازکی سے پیچ کھایا ۔ کمر تک سایۂ گیسو نہ آیا

حنا پکڑے پاؤں پر ایسی پھبی ہے ۔ او سے حبث پکڑو قدموں لگی ہے

لیجئے زمانہ کہولت بھی ختم ہوا۔ اب اوس شاعری کے عنوان بیان کو ملاحظہ فرمائی جو عمر کے لحاظ سے صد سالہ ہے۔ چاہئے تعجب کہ اسوقت بھی آپکا دل و دماغ وہ ہے جو اس عمر میں کسی اور کو نصیب ہو گا جب فرمانروائے رامپور نواب حامد علی خاں بہادر سفر انگلینڈ سے واپس آئے تو پھر اپنی طبیعت کا زور دکھلایا۔ یا تو وہ واجد علیشاہ کے نام کا قصیدہ تھا یا یہ نوابصاحب بہادر کے نام لکھا ہی گو وہ تسلیم نہیں رہے ہیں مگر کلام کا فروغ وہی ہے۔

قصیدہ

ہوا پیدا رخِ دولت سے ناز سے جب خسرو خاور ۔ اوٹھایا چاندنی نے فرش روئی خاک بستر
عروسِ صبح نے کھینچا دکھائی جلوہ فروزی ۔ بنا اک قرص کافوری مہ پر نور گردوں پر
شب افروزی سے پائی ثابت و سیارہ نے رخصت ۔ فلک پر چھائے صورتِ شمع سحر اختر
بدل دیں صورتیں گل زار کی عکسِ شعاعی نے ۔ بنے شبنم کے قطرے روئے گل پر ریزۂ اختر
پھرے سوئے ریاست بھی نسیم یوں شہ والا ۔ کہ جیسے غرب سے مشتاق مشرق خسرو خاور
فریدوں مرتبہ حامد علی خاں صف حشمت شوکت ۔ کہ جسکا نقش پا ہے تاجِ فرقِ قیصر و قیصر
بلندی پر جو آئے خاک اوسکے اسپ کی لاتی ۔ بنائے آسمانِ پیر کحل دیدۂ اختر
جو ذکر آئے مزاجِ شاہ والا کی لطافت کا ۔ دہن میں ہر زباں بن جائے موجِ چشمۂ کوثر
فراست کا ہے پرداز ریاست عینِ حکمت ہے ۔ سیاست پھر وعمل فتنہ فرش سلۂ اسکندر
نہیں ہیں نام کے بس کا رہی تغیر ہے سے ہے تم ۔ چھپا ٹھی میں معشوقوں کی ہے در و خا چاکر

طرزِ تغزل در زمانہ بد حواسی

شمع کے مانند حکم سیرا ہو پیا لے گئے ۔ زندگی بخشی خدا اسلئے ہم کو مرجانیکے بعد
چاہیئے انساں کو ہر وقت حفظِ آبرو ۔ پھر کہیں رہتا نہیں اب گھر جانیکے بعد

کیا کہوں کیا حال ہوتا ہی تمہارے ہجر میں ∴ ہوش تک آتا نہیں دو دو پہر جانیکے بعد
بحر ہستی میں کریں کیا فکر فن زیر مزار ∴ پہر علم ہستی نہیں کچھ پار اوتر جانیکے بعد
ہم جلوہ گاہوں مہماں دیکھ لیں اہل نظر ∴ پہر نہ آونگا کبھی مثل شرر جانیکے بعد
اب تو اے تسلیم ہیں اہل ہنر بہولے ہوے
یاد فرماینگے کیا کیا مجکو مرجانے کے بعد

ولہ

ستانہ خونیں دلونکو ظالم کہ اپنے ہاتھوں مٹائینگے ہم ∴ بہرنگ برگ حنا جو پیسا تو اور بھی رنگ لائینگے ہم
چہپائیں جوہر ہے ذات اپنی غرض نہیں حسن عارضی سے ∴ ہمیشہ طوفان آبرو میں گہر کی صورت نہائینگے ہم
جگر سے لب تک بہرے ہوئے ہیں برنگ نے قصۂ مصیبت ∴ جو ہمکو چہیڑا بیگلو بتکلف بچشم کچھ کہہ سنائینگے ہم
صبا کا چلنا - گلونکا ہنسنا - یہ رنگ سارے ہیں دم کے ہمراہ ∴ نظر کیے بہرتے ہی اس چمن میں ہوا بہی انکی نہ پائینگے ہم
ہائے مومن ابتک یہ عالم فیض ہے - فرماتے ہیں - تسلیم
سنا کہ رہی ہیں کہ ہوش آئے تو اٹھکے بالیں سے گہر کو جائیں ∴ یہی ارادہ اگر ہی اونکا تو آپ ہی میں نہ آئینگے ہم
خدا نے چاہا تو اب کسی دن بنجائینگے سبوئے دیر لیکن ∴ تبوں کے سر کی قسم نہ واعظ تمہارے کہنے سے کہائینگے ہم
غلط ہے تسلیم اونکا دعوےٰ جو کہتے ہیں دوستو سے اپنے
کہ آتا کیا ہے انہیں برسوں فن سخن میں بتائینگے ہم

اس مقطع کی ترکیب پر مجکو مکرمی جناب مولوی محمد حسن صاحب فائز بنارسی یاد آگئے جو اس زمانہ میں بڑے نازک خیال اور باریک بین وکہن سال ہیں - کہتے تھے کہ میں استاد تسلیم کے عنوان بیان کا دلدادہ ہوں اس زمانہ میں یہ باتیں کسی میں نہیں یہ مٹی مٹائی دلی کا یہ قدیم رنگ کسکو نصیب ہے -

رباعیات تسلیم کا رنگ بہی نہایت برجستہ ہے - فرماتے ہیں

رونا غم شبیر میں پیارا ہوگا ∴ محشر میں شفاعت کا سہارا ہوگا
اللہ بہی اعزاز کرے گا تسلیم ∴ ہر اشک مرا عرش کا تارا ہوگا

دیگر

تسلیم غم جو صلہ فرسا کہیے ۔۔ یا زور تمنا کی تمنا کہیے
سر پر ہے اجل دم ہی لبوں پر پیا ۔۔ اس کشمکش نزع میں کیا کیا کہیے

یہ تو اردو کلام ہوا ضمناً فارسی کلام نمونہ بھی ناظرین کے ملاحظہ کو پیش کرتا ہوں۔ خدا سنجر طہرانی عصر رامپور کو سلامت رکھے وہی ایک شخص ہندوستان میں اس طرز بیان کا سمجھنے والا ہے۔ افسوس میری ملاقات کو ایک مدت ہو گئی اب کے رہ گیا میں آئے بھی تو میں بستر علالت پر تھا۔ رباعی فارسی از تسلیم کہ بعمر صد سالہ نوشتہ شد۔

از علم خدا گشت محرم پیدا ۔۔ کونین ز کن کرد بیکدم پیدا
بر عظمت وہم و سعت قدرت نازم ۔۔ کز دست بیک نقطہ دو عالم پیدا

اب میں استاد تسلیم کی شاعری کو رخصت کر کے ان کی تصانیف کی طرف رجوع ہوتا ہوں۔

تصانیف تسلیم

دیوان اول غدر میں تلف ہوا۔ کلیات تسلیم معروف دیوان نظم ارجمند۔ دیوان نظم دلفروز۔ دیوان دفتر خیال (یہ آخری دیوان استاد تسلیم کا رامپور میں طبع ہوا ہے اس میں آپ کی تصویر بھی ہے۔ صاحب مطبع نے بغیر غلط نامہ شائع کر دیا ہے۔) مثنوی نالہ تسلیم۔ مثنوی شام غریباں۔ مثنوی صبح خنداں۔ مثنوی دل و جان۔ مثنوی نغمہ مسلسل۔ مثنوی شوکت شاہجہانی۔ سفرنامہ منظوم نواب صاحب والی رامپور کے سفر انگلستان کا حال ہے جلد دوم میں ہزار پانسو اشعار تک اس میں داخل کیے گئے۔ تاریخ بدیع۔ تکمیل تاریخ رامپور کی بحیثیت جزو میں مطبوع ہوئی اس میں بصورت توضیح چار عنصر تسلیم کو شامل کیا ہے داخل کتب خانہ سرکار رامپور کے علاوہ ان کے متعدد مثنویاں کہہ کہہ کر صاحبان قدر دان کے حوالے کر گئیں۔ تھوڑا عرصہ ہوا بھوپال کے ایک رئیس کے لیے کہہ زیر عتاب بیگم صاحبہ ہو کر رامپور آ رہے تھے

سات سو ۰۰ ۷ شعروں کی ایک مثنوی تشریح حقوق میں اون کیلئے لکھکر
اون کے نذر کی۔ وغیرہ

جناب تسلیم کی زندگی کی آخری بہار

حضرت تسلیم کا شمار رستہ ء میں بزمانہ نواب مشتاق علی خان صاحب اور
جنرل اعظم الدین خاں پنشن خوار ریاست میں ہوا قلیل و کثیر رقم گھٹتی بڑھتی
رہی۔ ابتدا میں دو روپیہ کرایہ کا مکان لیکر محلہ گویہ تالاب رامپور میں دوسری
بی بی کے ساتھ بسر کرتے تھے۔ اسکے بعد جب یہ مرگئیں تو تقریباً چھ سال
اپنے کشمیری دوستوں میں بسر کی۔ ایک مرتبہ ہیضہ میں مبتلا ہو کر قریب
مرگ ہوگئے تو جناب شبیر احمد صاحب وفا اوٹھا کر اپنے پاس لے آئے۔ وہاں پھر
باوجود انکار کچھ نقد دیکر بسر کرتے رہے۔ اسکے بعد آپکے لائق شاگرد جو اب
انکی جگہ پر ناظر ہیں جناب محمد یار خانصاحب اپنے پاس اٹھا کر لے آئے۔ ناظر
صاحب کے والد بھی جناب تسلیم کے شاگرد تھے نعت گوئی میں کمال تھا
یاس تخلص کرتے تھے [illegible] ناظر صاحب بھی تو شوقیہ [illegible] ہیں انکے شاگرد ہوئے
اور یہ جگہ نظارت کی جو محمد کلب علی خاں میں اوستاد تسلیم کو ملی تھی انکو مل گئی
یہ صاحب نہایت شریف النفس اور صاحب سخاوت ہیں۔ چندے بصد ندامت
انکو بھی پانچ روپیہ ماہوار استاد تسلیم سے لینا پڑا۔ پھر یہ وقت گذر گیا جب سفرنامہ
منظوم مع قصیدہ و عرضی و چار تصنیف تسلیم وغیرہ استاد تسلیم نے جناب نواب حامد علیخاں
صاحب بہادر کے حضور میں بذریعہ پرائیویٹ سکرٹری بہادر پیش کیا اور چرچا شعر و
سخن کا رامپور میں ہوا تو سرکار نے آپکی پنشن چالیس روپیہ ماہوار مقرر کردی
استاد تسلیم ناظر صاحب کے مکان میں رہکر نہایت عافیت کے ساتھ بسر کرتے
ہیں بیس روپیہ ماہوار کی تنخواہ ایک ماما نوکر ہے جسے [illegible] وہ کہانا پکا کر پیش
کیا کرتی ہے۔ باقی چودہ روپیے ماہوار بیٹے صاحبزادہ تجمل حسین صاحب کو بھیجدیے
جاتے ہیں۔ لکھنؤ کا گھر ناظر صاحب کی محبت میں چھوڑ کر انہیں کو اولاد سمجھ لیا ہے اور

آخری زمانہ اپنا یادِ خدا میں بسر فرما رہے ہیں۔ اصلاح تلامذہ اور شعرگوئی گویا بند ہے کسی کسی کی ضد سے ہوں، ہاں کر دیتے ہیں ایں و بس۔

مشاعروں کی یاد

عہدِ ناسخ سے اسوقت تک خدا جانے کتنے مشاعرے آپ نے دیکھے خود کہتے ہیں ؎

شمع افروزیِ مضمون کی بدولت تسلیم
مجمعِ بزمِ شعرا دیکھ چکے بارہا

مگر رامپور کا ابتدائی مشاعرہ آپ کے لئے وہی تھا جو شہزادہ حیا مرحوم کی موجودگی میں منعقد ہوا تھا۔ ہر چند سال کے اندر بیرونجات کے مشاعروں میں علیگڑھ کا مشاعرہ جس میں دلی کے آخری شاعر مرزا مجروح بھی تھے ایک یادگار مشاعرہ ہوا۔ فرماتے تھے کہ مولوی فضل الحسن حسرت موہانی کی ضد سے میں اس مشاعرہ میں شریک ہوا۔ اس مشاعرہ میں نئی روشنی والوں کی یہ نئی قدردانی نہیں بھولی کہ بعوضِ داد کے یاروں نے تالیاں ہی بجائیں تھیں۔ وائے ایشیائی شاعری۔ تیرا جنازہ یاروں نے انگریزی لباس پہنا کر اٹھایا۔ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے کسی کمیٹی یا ادبی مشاعرہ کی شرکت نہ کی۔ اور فرمایا کہ تسلیم

مٹاتے جاتے ہیں اردو کو انگریزی داں پنجابی
اپنی قسمت میں خدا جانے کیا ہے بزم کا نیا تک

پھر مرزا مجروح، ظہیر، مرزا جعفر اوج وغیرہ کو مدِ نظر رکھ کر ایک جگہ اور فرماتے ہیں کہ ؎

غنیمت جان اے تسلیم دو ایک ہم سے بوڑھوں کو
کہ یہ حسنِ سخن سنگ بنا ہی نیا تک ہے

اسی زمانہ میں وسعتاً و تسلیم کی ایک تحریر سے یہ ظاہر کیا تھا کہ حسرت موہانی ہمارے پاس آئے اور ازراہ دلسوزی چاہا کہ اپنے پاس اٹھا لے جائیں مگر ؎

آسمان کی کیا طاقت جو چھڑائے لکھنؤ
لکھنؤ مجھ پر فدا ہے ہم فدائے لکھنؤ

چلتے پھرتے باتیں ہی خواب و خیال ہو گئیں اور حسرت صاحب کی یہ تحریک آخر یادگار زمانہ ہو کر رہ گئی۔ مجروح بھی چل بسے۔ غالب کا نام مٹ چکا۔ مومن کی یاد آخر کی صورت چراغِ سحری کی رہ گئی ہے۔

تلامذۂ تسلیم

اس بحث کے چھیڑنے کو جی نہیں چاہتا - اس لیے کہ میں جناب تسلیم کا ایک کفش بردار قدیم ہوں میں نے اپنی تمامی عمر میں اوستاد تسلیم سے کسی کو اپنا شاگرد کہتے نہ سنا نہ باوجود دریافت آپ نے کچھ فرمایا البتہ حیات تسلیم مطبوعہ لاہور کے طبع کے وقت میں نے بہت اصرار کیا تو آپ نے فرمایا کہ بھائی میں اپنا شاگرد کس کو بتلاؤں البتہ اکثر شاعران نو کہن کا دلال ہوں - یہاں (یعنی رامپور میں) چار مشاعرہ ماہوار ہوتے ہیں اس سبب سے اکثر مبتدیوں کے ساتھ دماغ سوزی کرنا پڑتی ہے - ناظرین منصف مزاج اب خود سمجھ سکتے ہیں کہ اس تحریر و تقریر کے آگے میں اس معاملہ میں کیا لکھ سکتا ہوں مگر فرائض حیات نویسی میں ایک بات رہ جائیگی اس لیے قدیم گرامی ناموں کو نکال کر جو کچھ پتا کسی کا ملا اونکے نام نامی درج کر دیتا ہوں - کہ لوگوں کو شکایت نہ رہے (قبل طبع اس کتاب کے بھی میں نے رسالہ اردوئے معلّٰی علیگڈھ میں اعلان کر دیا تھا کہ تلامذۂ تسلیم او احباب تسلیم اس کتاب کی تکمیل میں ہماری مدد کریں مگر اون کے کسی بیرونی شاگرد نے جنکا نام اور ذریعوں سے مجھے معلوم ہوا کچھ اپنا حال نہیں لکھا نہ کلام اپنا بھیجا کہ مناسب رائے زنی کا موقع ملتا) -

جن اصحاب کا پتہ ملا ہے وہ یہ ہیں - - نور علیخاں شیدا لکھنؤ کے رہنے والے بہت خوش فکر اور طباع تھے نظم و نثر دونوں میں کمال تھا منیر شکوہ آبادی کے رنگ میں معزز لوگوں سے تھے شعرا میں اونکا شمار ہوا تھا کہ اسکے دیوان پر تقریظ بھی لکھی - یہ وہ وقت ہے جب امیر مرحوم بھی زندہ تھے - اوستاد تسلیم فرماتے ہیں کہ صاحب دیوان تھا اچھا کہتا تھا - کوئی شعر اوسکا بوجہ بدحواسی یاد نہیں - ان کے اشغال کو بھی پسند … ہو گئی - جن دنوں طوطی ہند … میں نکلا تھا اُسی میں طوطی کا ہمزبان تھا بہت نظم و نثر لکھی - اور چاہا کہ مجھے بھی اوس میں شریک کریں لیکن میں نے ان چیزوں کی اصلاح سے … انکار کیا کہ … سمجھا تھا

ایڈیٹر اودھ پنچ کی اور ہماری ملاقات تھی - یہ بات وضعداری کے خلاف ہوئی - سنہ ۱۲۹۷ھ تک اونکی زندگانی کا پتہ ملتا ہے پھر خبر نہیں کب اور کس وقت اور کہاں انتقال کیا - وائے گمنامی - دیوان غیر مطبوع تلف ہو گیا - یہ تلامذہ اولیں میں بہت ممتاز تھے -

(یہ وہ ضعیف العمر شیدا نہیں ہیں جو اطراف صوبہ بہار میں رئیسوں کے ہاں ہو اور نسیم دہلوی کی غزل کی چوری کے سبب سے اخبار الپنچ بانکی پور وغیرہ میں بہت بدنام ہوئے تھے ہجو گوئی کے سبب سے قید بھی ہوئے تھے میں نے اونکو ساٹھ سنہ ستر برس کی عمر میں دیکھا تھا خبر نہیں مر گئے یا کہیں چلے گئے)

علامہ مولوی ظہیر احسن شوق مرحوم نیموی - عالم اور طبیب تھے نیمی مضافات عظیم آباد کے رہنے والے تھے ہ کی اہلی پٹنہ میں طبابت کرتے تھے - شریف خاندان مگر غریب تھے پہلے معمولی کتابیں پٹنہ میں پڑھیں - مولانا محمد سعید صاحب حسرت عظیم آبادی کے بھی شاگرد رہے پھر غازیپور میں مدرسہ چشمہ رحمت میں تحصیل علم عربی کی تکمیل علامہ مولانا عبدالاحد صاحب سمت ادفرنگی محلی لکھنوی مدظلہ العالی سے کی - فن شعر کے نکات بھی اول اول انہیں سے معلوم ہوئے غزلوں پر اصلاح بھی لی پھر تکمیل طب کے لئے لکھنو گئے اس فن کو بدرجہ اعلیٰ یہاں حاصل کیا یہ وہ زمانہ ہے کہ خورشید مولف افادات زندہ تھے - چنانچہ افادات میں انکا ذکر ہے - لکھنو کے نامی شاعر محمد جان شاد یادگار نسیم کے ہمراہ مشاعروں میں عزت پائی - اور سلسلہ اصلاح سخن استاد تسلیم سے بھی جاری کیا - مثنوی نغمہ راز پر جناب تسلیم سے اصلاح لی - دلی کے رنگ کی چاشنی انکو یہیں نصیب ہوئی - عہد کلب علیخانی میں رامپور گئے اور رسالہ اصلاح کہ مجموعہ نکات سخن ہے مع قصیدہ بوساطت استاد تسلیم نذر گذرا نا مناسب قدر دانی کی گئی دربار نے گل کو بھی دیکھا تھا - عہد داغ و امیر تک چند سے رامپور میں قیام رکھا اور بوجہ کمال علم و تحقیقات بہت ممتاز ہوئے - مرحوم حکیم ضامن علی جلال کی سرمایۂ زبان

اردو کی بذریعہ رسالہ سرمۂ تحقیق وغیرہ قلعی کھول دی پنچ اخبارات
میں بڑی دھوم ہوئی ۔ پھر مولوی فضل حق آزاد عظیم آبادی سے عرصہ
تک تحقیقات فن میں جھگڑا رہا ۔ گیا پنچ آزاد پنچ میں مضامین چھپتے تھے
صاحب دیوان و مصنف کتب واجب التوقیر ہیں ۔ علم دین کے بھی بڑے محقق
تھے مولانا فضل الرحمن قدس سرہ گنج مرادآبادی سے بیعت حاصل تھی ۔ دم
مرگ ایک کتاب حدیث میں لکھ رہے تھے نا تمام رہ گئی خبر نہیں ان کا دیوان
اور کتب خانہ کیا ہوا انکے ایک شاگرد کہتے تھے کہ انکے ایک بھائی
صاحب علم ہیں وہ عنقریب دیوان طبع کرائینگے ۔ شہزادہ بشیر دہلوی
انکے صاحب دیوان شاگرد ہیں ۔ ایک شاگرد انکا ضیا تخلص تھا
نوجوان و خوشگو تھا گیا میں اکثر آیا اور خاکسار کے مشاعروں کی شرکت
کی کمیٹی نے اوس مشاعرہ میں بھی شریک تھا جس میں جلال کے طرف سے
اون کے بیٹے کمال شریک تھے ۔ فغاں کے لیے ۔ زباں کے لیے طرح
تھی ایک شعر بہت ہی پرسوز پڑھا تھا ضیا ۔

پکارتی ہے سرِ شام دل کی ویرانی ∴ چراغ دے کوئی اجڑے ہوئے مکاں کیلیے

لوگوں نے بہت داد دی ۔ افسوس کہ پہلے کا علم وفن کے لحاظ سے
کورا تھا صرف طبیعت کی روانی نے ممتاز کر دیا تھا ایک رنڈی کے
عشق میں دیوانہ ہو کر بیٹھ گیا وہاں عین شباب میں ہیضہ کی بیماری
سے مر گیا مرحوم شوق کی سرپرستی سے اسکا دیوان چھپ گیا ہے ۔
شوق ابتدا میں میر کے رنگ کے شعر کہا کرتے تھے ۔ پھر داغ کا
رنگ پسند کر لیا تھا داغ انکے رنگ پر خود شیفتہ تھے ان کے اس
شعر پر رامپور میں داغ بہت بیچین ہوئے تھے ۔

دامن کبھی جلتے ہیں کبھی ملتے ہیں وہ ہاتھ ∴ اے شوق ابھی ہوش میں آنا نہیں اچھا

گیا میں بھی ایک مشاعرہ میں آئے تھے یہ طرح تھی ۔ دیوار میں ہے بیمار میں ہے

اس میں شاہ محمد اکبر صاحب ابو العلائی - اور شمس العلما اثر وغیرہ بھی تھے بھی مشاعرہ میری انکی ملاقات کا باعث ہوا - اور خدا مغفرت کرے شاہ محمد اکبر صاحب سے ملایا تھا - بعد تلمذ تسلیم ہی حضرت شمشاد کے بہ معتقد تھے جیسا کہ خود لکھتے ہیں - (تحسین نامہ شوق) معظمی و مکرمی تسلیم - مجکو شاگردی کا فخر جناب شمشاد کی بھی حاصل ہے حضرت شمشاد اہل زبان ہونے کے علاوہ عربی و فارسی میں استعداد کامل رکھتے ہیں - شاعری کی تکمیل انہیں دو باتوں پر ہے اول اہل علم ہونا دوسرے اہل زبان ہونا - دونوں باتیں جناب شمشاد میں موجود ہیں - فقط

شوق نیموی کا انتقال - از شہر پٹنہ شاہ کی املی - ۲۶ محرم الحرام مطابق استاد تسلیم کو انکی موت کا بڑا صدمہ ہوا - یہ با توقیر تلامذہ میں تھے - انکی نسبت مثنوی نغمہ راز میں استاد تسلیم اپنے خیالات یوں ظاہر کرتے ہیں -

بارک اللہ اے ظہیر احسن — مجمع فضل و ماہر فن
مثنوی لکھی کیا انوکھی تم نے — ساحری شاعری میں کی
وہ فصاحت زبان میں کہیں — وہ بلاغت بیان میں کہیں
دل ہی جسکا مزا اٹھاتا ہے — شور تحسین لبوں تک آتا ہے
اوج بخشا کمال کو کیا کیا — دی بلندی خیال کو کیا کیا
سیر نے اک مزا دیا دل کو — نقش حیرت بنا دیا دل کو
پھر تاریخ فکر کی ہے یہ لے
واہ کیا دلپسند نغمہ ہے

استاد تسلیم فرماتے ہیں کہ مولوی ظہیر احسن عالم آدمی ہو کر اگر اپنے کو میرا شاگرد کہتے ہیں تو انکی شرافت ہی - افسوس چند سال ہوئے اسہال کبدی کے عارضہ میں مبتلا ہو کر پٹنہ میں (بروایت دیگر موضع نیمی اپنے وطن میں جا کر) انتقال کیا - اور ملک میں انکی موت باعتبار اس کمال کے

نہایت گمنامی کے ساتھ ہوئی - استاد تسلیم کا شاگرد ان سے اچھا اسوقت موجود نہیں ہے بھی وہ لوگ تھے جو اگر دعوے جانشینی کرتے توزیبا تھا - اب انکا کوئی شاگرد بھی قابل تذکرہ باقی نہیں نہ کوئی اولاد ہے - شوق نے تقریباً چالیس سال کی عمر کے اندر انتقال کیا -

زندہ جو کل ہے آج انہیں کا فسانہ ہے ؎ کس کس کو روئیے یہی رنگ زمانہ ہے

ان کے تلامذہ میں مرحوم ضیا جسکا ذکر اوپر آیا اوس کے ہمعصری کا خیال ہمارے نوجوان دوست ذوالفقار علی عرف صوبہ آہ تخلص کو بھی تھا مگر یہ لڑکا مطابق ضرورت علم رکھتا تھا اور بڑے بڑوں کی صحبت اُٹھائی تھی آخر شراب خواری کے ہاتھوں مٹ گیا - امام باڑہ گیا میں مدفون ہے اوسکا یہ شعر حشر تک نہ بھولیگا - نہ شاید اس سے اچھا مطلع اس زمین میں ہو سکتا ہے یہ گیا کے مشہور شاعر حشر مرحوم کا شاگرد تھا وہ مطلع یہ ہے ؎

شعلہ غم یوں بھڑکتا ہے دل مایوس میں ؎ جھلملائے شمع کی لو جسطرح فانوس میں

اپنے استاد کا بھی ایک ایسا شاگرد تھا جس نے مرکر اپنے استاد کے نام کو بھی اوسکی موت کے بعد مٹا ڈالا - یہ سب خاک ر کے مشاعروں میں جمع ہوا کرتے تھے - خدا جانے میں نے اس عمر میں ان آنکھوں سے کیا کیا دیکھا - اسکے مرنے کی تاریخ میں نے (آہ بہار آخر شد) لکھی -

مولوی فضل الحسن صاحب حسرت موہانی بی - اے - ایڈیٹر اردوے معلے آپ موہان کے شرفا میں نہایت ذی علم اور صاحب فن ہیں - ہندوستان کا مشہور رسالہ اردوے معلے انکی اڈیٹری میں نکلتا ہے زبان کے لحاظ سے موجودہ رسالوں میں اسکا پایہ بہت بلند ہے - قلم کی جولانی میں ایک مضمون گورنمنٹ کے خلاف چھپا جو سبب انکی سزائے قید کا ہوا - علمی و اخلاقی مشغلہ حکام کی نظر بچا کر قید خانہ میں بھی جاری رکھا اور مصائب سخت

کی حالت میں ایک دیوان بھی مرتب کر ڈالا۔ ایک عرصہ کی پریشانی کے بعد نتیجۂ قید سے چھوٹے۔ اس درمیان میں اردوئے معلی بھی بند رہا اور [illegible] کتب خانہ بھی برباد ہوا۔ علیگڑھ کے تعلیم یافتہ لوگوں میں باوجود ولی - ایسے ہونے کے بھی ایک ایسا شخص نظر آتا ہے کہ جس نے اپنی ذات کو بخلاف دنیا حاصل کرنے کے قومی خدمت کے لئے وقف کیا ہے اور بالخصوص اردو انشاپردازی اور ایشیائی شاعری کی ترقی جان و دل سے فدا ہے۔

حیات تسلیم مطبوعہ لاہور میں جو انکا کوئی ذکر نہیں کیا گیا اسکا سبب یہ ہے کہ یہ مخفی تلامذہ استاد تسلیم میں تھے انکا کوئی ذکر جناب تسلیم نے نہیں کیا تھا۔ بعد طبع حیات تسلیم جب میں نے استاد تسلیم سے انکی بابت پوچھا تو فرمایا کہ مجھے یاد نہیں کہ حسرت نے مجھ سے کب اور کہاں اصلاح لی میرے حواس بجا نہیں کہ کچھ خیال کروں۔ مگر بعد چندے جناب حسرت نے رامپور کا سفر کیا تو استاد تسلیم نے مجھے لکھا کہ حسرت میرے پاس آئے تھے اور اپنے کو پہچنوایا اور از راہ دل سوزی بہت اصرار کیا کہ دم آخر ہر طرح کی عافیت دینے کو میں تیار ہوں آپ یہاں ناحق تکلیف میں ہیں ہمارے ساتھ چلئے مگر میں نہ گیا۔ ایک اور گرامی نامہ تسلیم سے انکی اصلاح کا پتہ ملتا ہے۔

(گرامی نامہ تسلیم) محبت من میں علیل ہوں پندرہ روز ہوئے گر پڑا تھا ہاتھ اکھڑ گیا اب بفضلہ تعالے درست ہو گیا ہے ورم باقی ہے اور درد بھی ہے دعائے خیر فرمائیے بہت کمزور ہو گیا ہوں حسرت موہانی کی کوئی غزل ادھر میرے پاس نہیں آئی پہلے برابر اتفاق ہوتا تھا انکی قید کی حالت کو سنکر بڑا صدمہ ہوا۔ آزاد مصنف آبحیات کی موت کا بھی افسوس ہے۔ میرا دیوان سوم چھپ چکا ہے ابھی شیرازہ بندی نہیں ہوئی علاوہ اسکے کاتب نے غلطی بہت کی ہے اسکا غلطنامہ مرتب ہو جائیگا تو ایک جلد تمہارے پاس روانہ کی جائیگی۔ تمہاری تاریخیں بھی اندراج کو صاحب مطبع کے حوالہ

کر دی گئی ہیں خاطر جمع رکھو۔

راقم محمد امیر اللہ تسلیم لکھنوی

موجودہ تلامذۂ تسلیم میں حسرت کا پایہ سب میں بلند ہے قابلیت صحت زبان۔ تحقیقات فن رنگ خاندان سب حاصل ہے۔ میں مسئلہ جانشینی اور سجادہ نشینی وغیرہ کے بالکل خلاف ہوں۔ اگر میں اس مسئلہ کا قائل ہو جاؤں تو اوستاد تسلیم کی جانشینی کا خطاب حسرت کی نذر کر دوں۔ بیشک حسرت نے رنگ تسلیم کی تقلید نہیں کی ہے بلا ریب اس شخص نے مومن کے رنگ کی ایسی تقلید کی کہ تعریف نہیں ہو سکتی اور اس لحاظ سے یہ چراغ خاندان مومن و نسیم اور شاگرد رشید تسلیم ہیں۔

اس زمانہ انگریزیت میں کہ اسکول گروہ نے نیچرل شاعری کا جھنڈا بہت بلند کر رکھا ہے۔ واقفیت فن صرف چند ہی افراد کو ہو تو ہو عوام کالانعام نہیں کہ وہ حسرت کا سہل ممتنع کلام سمجھ سکیں اسلئے انکی وہ قدر دانی جسکے یہ مستحق ہیں نہیں ہوئی صرف وہی حضرات صاحب بصیرت حسرت کے بیمثل کلام کو سمجھ سکتے ہیں جنکے دل و دماغ میں غالب و مومن کی شاعری بسی ہوئی ہے۔ بہرحال حسرت صاحب کو یہ سمجھکر غم نہ کرنا چاہیئے۔ کہ

ہی دعا تسلیم اپنی عالم العلام سے ... میرا دیوان آشنائے دیدۂ جاہل نہو

افسوس حسرت کی شاعری کا آفتاب اوسوقت چمکا ہے جب اوستاد تسلیم کے آنکھوں کی روشنی یکگونہ زائل ہو چکی ورنہ اس زمانہ میں حسرت ہی ایک ایسے شاگرد اونکے ہوتے جنکو اون کے بیشتر تلامذہ کا کلام بغرض اصلاح دیا جاتا۔

حسرت کا دیوان بالکل مکمل ہے اور اوسکا جزو اعظم اردوئے معلی میں مطبوع ہو چکا ہے۔ تالیفات حسرت میں شرح دیوان غالب بھی ایک معقول کتاب ہے۔ قدیم شعرا و اساتذہ کے اکثر دواوین کا انتخاب کر کے

دوبارہ اونکو زندہ کرنا حسرت کا معمولی کام ہے۔

حسرت کی پرائیویٹ حالات کی اطلاع مجھکو بالکل نہیں ہوئی اس لیئے کہ وہ بوجہ وارستہ مزاجی کسیکو باوجود دریافت بہی کچھہ لکھنا نہیں چاہتے۔ اکثر انکی سوانح نگاروں نے ایک نوجوان۔ اور چلبلی طبیعت کا آدمی لکھا ہے۔ مگر کلام پر غایت پیرانہ سالی پرستی ہے۔

انکے کلام کا اندازہ ان اشعار سے ممکن ہے۔ ہندوستان کے تمام گوشے کے شعرا اگر جمع کیئے جائیں تو شاید دو چار اس طرز کے کہنے والے نکلیں۔ اس شخص کو اگر چراغ مزار مومن کہئے تو زیبا ہے۔

کلام حسرت

ہے ایک در پیر مغاں تک تو رسائی ... ہم بادہ پرستوں کا کہاں اور ٹھکانا

طعن احباب سہے سرزنش خلق سہے ... ہمنے کیا کیا تری خاطر سے گوارا کیا

اونکی الفت کا یقیں ہو اونکے آنیکی امید ... ہوں یہ دونوں صورتیں تب ہے بہار انتظار

فرقت ساقی میں ہم حسرت کنار بادہ سے ... ملکے رویا خوب ابر نوبہار اب کے برس

مرے اصرار مضطر میں نہاں تھی میری ناکامی ... ترے اقرار آساں سے ترا انکار پیدا ہے

دل بیزار ابا شد وفا کا ہے بہلانا مشکل ... ہمنے یہ اونکے تغافل کو سنا رکھا ہے

کھلے بال اپنے جو پہولوں میں بسا رکھے ہیں ... شوق کو اور بھی دیوانہ بنا رکھا ہے

کہتے ہیں اہل جہاں درد محبت جسکو ... نام اوسیکا دل مضطر نے دوا رکھا ہے

حسرت کے اوس رنگ کے اشعار قلم انداز کرتا ہوں جنکو اون کے معتقد تاویلات میں داخل کرتے ہیں۔ اور بوجہ پیچیدگی بیان اون ترکیبوں کو غایت توجہ ٹھہراتے ہیں۔ حسرت مجسم اخلاق نے اپنے غایت اخلاق کا ثبوت اوس مشاعرہ علی گڑہ کے ذریعہ سے دیا ہے جسمیں اوستاد تسلیم اور مرزا مجروح کو شریک کیا تہا ہندوستان کے اس آخری مشاعرہ کے بعد کوئی ایسا مشاعرہ نہیں ہوا جہاں غالب و مومن کے ایسے آخری یادگار ونکی

شرکت ہوئی ہو۔ وہ گروپ جو اس مشاعرہ کے متعلق لیا گیا تھا جسکو انکی برعرش علی جنتری نے بھی شائع کیا ہے حسرت ہی کی معرفت تیار ہوا تھا۔ کو مرحوم میر مجروح کی آخر وقت میں زیارت ہو گئی۔

حاجی محمد اسمعیل خاں صبر رامپوری

رامپور کے باشندے ہیں انکی تحریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ سو ڈیڑہ سو روپیہ ماہوار کی جاگیر کی آمدنی ہے۔ تازہ شاگردان تسلیم میں یہ نہایت پرگو معلوم ہوتے ہیں۔ حیات تسلیم مطبوعہ لاہور کا زمانہ تو زیادہ گذرا تو تین سال کے اندر کا بھی کوئی گرامی نامہ تسلیم ایسا نظر افروز نہیں ہوا جن میں انکا ذکر ہو۔ یکا یک سنہ ۱۹۱۶ء میں یہ نمایاں ہوئے اور اکثر جواب خط بعوض استاد کے انکے قلم سے بھی آئے۔ انکے مختلف خطوط سے یہ عبارت اقتباس کیجاتی ہے۔

(از خطوط بلبل تسلیم)

مخدومی مکرمی جناب بھائی عرش صاحب دام الطافکم۔ میرا دیوان مرتب ڈیڑہ سال سے قبلہ و کعبہ استاد صاحب کے پاس رکھا ہے۔ ہنوز اصلاح کی نوبت نہیں آئی جب کسی قدر نظر کام کرتی تھی اوسوقت ملاحظہ نہیں فرمایا۔ اب ضعف بصارت کے عالم میں کئی مرتبہ عرض کیا کہ صرف حضور پانچ چار غزل روز سن لیا کریں اسکی بھی نوبت نہیں آئی حالانکہ شب و روز خدمت میں حاضر رہتا ہوں۔ صرف ایک مثنوی خون حسرت جو چھپ چکی ہے اول سے آخر تک دیکھی تھی (یہ مثنوی خاکسار کے پاس صبر صاحب نے بھیجدی ہے بے عیب ہے) اور ایک خمسہ نگار خانۂ خسروی اصلاح سے مزین ہوا ہے یہ بھی چھپ چکا ہے۔ (یہ بھی اچھا ہے) دوسری مثنوی عشرت جمشید حضور پرنور والی رامپور کی سالگرہ کا حال اور میلے کی تعریف میں ہے اول سے لیکر آخر تک استاد نے دیکھی ہے یہ عنقریب منجانب سرکار شائع ہونے والی ہے چھ مہینے سے جب کوئی غزل طرح شہر کے مشاعرہ کی غرض

سے عرض کرتا ہوں یا بیرونجات کے گلدستوں کے واسطے کہتا ہوں صرف بہت کہنے سے سخن لیتے ہیں بے اطمینان درج گلدستہ ہوتی ہے ۔ بہ سبب کمزوری و پیرانہ سالی اون کو مجبوری ہے اور اپنا استقاضی ہونا بے ادبی میں داخل ہے ۔ اوستاد کے پاس اب جن حضرات کا کلام آتا ہے سب میری نظر سے گذرتا ہے میں ہی پڑہکر سناتا ہوں ۔ جو فرماتے ہیں بہ نیت اصلاح کے طور پر لکھدیتا ہوں ۔ (واللہ اعلم بالصواب) کئی سال سے میں نے کوئی غزل حسرت موہانی کی نہیں دیکھی میں ہمیشہ اپنے حلیم اوستاد بھائی ہونے کو باعث فخر جانتا ہوں اور آپ اوپر اسکے شاگرد ہیں میرے مخدوم مکرم آپ مجھکو آپ ایک ادنے نیازمند تصور فرمائیں ۔

راقم الحروف محمد اسمٰعیل خاں صبر ۱۹ فروری ۱۹۱۱ء

(از بلبل تسلیم)

مخدومی و مکرمی جناب منشی ضمیر الدین احمد صاحب عرش دام الطافکم تسلیم بنیاز آپ کا خط جناب اوستاد کے پاس پہونچا ۔ میں نے پڑہ کر سنا دیا ۔ فرماتے ہیں کہ میں اب تندرست ہوں خاطر جمع رکھو ۔ اپنے متعلق اونکی تحریر گرامی دیکھکر بیحد خوشی ہوئی کئی بار سر پر رکھی اور آنکھوں سے لگائی حسب الحکم غزلیں طرح بدایوں کی روانہ کرتا ہوں آپ کی دعا سے اوستاد کے صدقے میں ان پوچ غزلوں پر میری لیاقت سے زیادہ تحسین و داد ملی ۔ تمام حاضرین بزم سخن نے قدر افزائی فرمائی ۔ بلکہ ساکنان بدایوں نے اس ناچیز کو انتخاب میں اول نمبر دیا اور تمام بدایوں کے شعرا نے اتفاق سے یہ کہا کہ یہ غزل اول نمبر کی ہے ۔ اگر آپ کی رائے ہو تو ان اشعار پریشان سے چند شعر منتخب کر کے کسی اخبار میں درج کرا دیجئے ۔

دیوان مرحوم تسلیم کی سوانح عمری میں جو دست اندازی صادق صاحب کی جانب سے آپ کے متعلق کی گئی ہے محض بے قاعدہ ہے ۔ وہ سوانح عمری

منشی نایاب خاں صادق نے اوستاد کو سنائی تھی اوستاد نے فرمایا تھا کہ یہ لکھنے کی ضرورت نہیں (ظاہر ہے کہ حیات تسلیم سے یہ ضرورت پوری ہو چکی تھی) جب انہوں نے یہ کہا کہ میری خوشی ہے تو فرمایا کہ اچھا (یہ گویا لحاظ اس کا تھا کہ پرائیویٹ سکرٹری صاحب کے یہ مصاحب ہیں) آپ اسکا غم نہ کریں (وغیرہ وغیرہ)

صبر از رامپور

از بلبل تسلیم۔ قبلہ و کعبہ اوستاد تسلیم نے اس کمترین کو بلبل تسلیم کا خطاب مرحمت فرمایا ہے شاید کمال دہلی کے پرچہ میں شائع ہو۔ لالہ پیارے لعل صاحب رونق دہلوی آئے تھے انہیں اوستاد نے فرمایا کہ میں نے صبر کو بلبل تسلیم کا خطاب دیا ہے تم اوسکو پرچوں میں درج کر دینا۔ آپ مرسلہ غزلیں اگر وسیع اخبار فرمائیں تو یہ بھی درج کرادیں۔

اس خطاب کے اعلان کے ساتھ ساتھ صبر نے احسن مارہروی کے شعروں پر اعتراض شروع کیا ہر چند کہ وہ اعتراض بالکل صحیح تھے جسکو ہمارے رسالہ اظہار الحسن انہوں نے ثابت کیا ہے مگر افسوس کہ رسالہ نظم اور خبیر صاحب فرشتہ نے اونکی بد قدری کی تھم بلبل تسلیم بھی انگشت نما ہوئے اور وہم آخر ملک الشعراء تسلیم کو بھی ندامت حاصل ہوئی۔ اگر صبر اپنے رنگ کلام پر قناعت کرتے تو ایک زمانہ میں وہ خود واجب التعظیم ہو جاتے۔ اہل بصیرت اونکی مناسب قدر کرتے مگر یہاں اونکی قدر دانی تو بالاطاق رہی رسوائی جناب تسلیم کو ہوئی اور اُن شاگردان داغ نے آنکھوں پر پٹی باندھ کر اعتراض کرنا شروع کیا جو صبر کے شاگردوں کے برابر بھی نہ تھے۔ بیشک جدید تازہ تلامذہ تسلیم میں انکی طبیعت بہت ہی مضمون رس واقع ہوئی ہے اور کہیں کہیں تسلیم کے رنگ کی جھلک بھی موجود ہے۔ وہ اس پر آشوب زمانے کو آنکھیں کھول کر دیکھیں اور طریقہ عجز کو بعنوان مزاج اوستاد ہے ہاتھ کو

جانے نہ دیں۔

ضمیر صاحب کو جو کشش بردار قدیم خاک پائے تسلیم کا سمجھانا شاید کچھ گراں ہو تو اسکو للہ معاف فرمائیں اسلیے کہ سوانح نگار کو دیانت دار ہونا چاہیے۔ ہندوستان کے اکثر پرچے اس لاطائل بحث سے جو بھرے ہوئی نظر آتے ہیں تو مجھکو بیحد صدمہ پہونچتا ہے کہ افسوس مانہ جسپر معترض ہے وہ سکے نہ جو اس ہی بیچارہیں نہ آنکھوں کی روشنی باقی ہے۔

کلام ضمیر یادگار مشاعرہ بابا اول

یاں دکھاتی ہے چشم گریاں جوش طوفانی مجھے ابر گوہر بار سے پھیرنا پانی مجھے
وحشت میں بھی نقشِ پا کی صورت ہوں پڑا گھیرے رہتی ہے ہر اک جانب سے ویرانی مجھے
حشر تک کروٹ نہ بدلی دفن ہو کر قبر میں اسقدر حاصل ہوئی مر کر تن آسانی مجھے

شعر تو یہ کہا ہے سو واقعی اگر ضمیر کو تسلیم کی شاگردی حاصل نہ ہوتی تو حشر تک اون سے ایسا شعر نہ ہو سکتا تھا۔

کیوں نہ کر تکلیف رکھا نقش کف پا کر مری داب لیگی اُڑ کے خود وحشت بیابانی مجھے

ضمیر سچ پوچھو تو تسلیم سخنور کا ہے فیض
ورنہ کب ملتی ہے مہلت ہمہ دانی مجھے

تیر نظر سے عمر رواں مری کم نہیں وہ چال چلتی ہے کہ نشانِ قدم نہیں

واللہ واہ نہیں ہو سکتی۔ خدا انھیں سلامت رکھے خوش رہو آباد رہو۔ خدا جانے کس عالم میں یہ مطلع کہا۔ یہ البتہ ہمارے استاد کا رنگ ہے۔

کٹ جائے سر مرا مجھے کچھ اسکا غم نہیں مرنے کی بات یہ ہے کہ خنجر میں دم نہیں
تصویر میں بھی ہیں وہی سب ناز یار کے اک بات ہی کی کمی ہے مگر اسمیں دم نہیں
جتنا کہ شمع رو رہی ہے پروانے کیلیے ہم کو کسی کے مرنیکا اتنا بھی غم نہیں

جب دل ہی ہے اپنا۔ تاز ونکا پالا نہیں رہا
جاتی ہی جان جائے کچھ اسکے ضمیر غم نہیں

منشی شبیر احمد وفا رامپوری - یہ اہل تلامذہ تسلیم میں ہیں بعد خانہ ویرانی استاد تسلیم کے یہی وہ سعادتمند شاگرد ہیں جو استاد تسلیم کو اوس وقت اپنے گھر اوٹھا لے آئے تھے جب وہ ہیضہ میں مبتلا ہو کر قریب المرگ ہو چکے تھے عرصہ تک اپنے ساتھ رکھا اور خدمت کی - شعر بھی بہت خوب کہتے ہیں مگر افکار دنیا سے مشق اور تکمیل فن کا موقع نہیں ملا - کوئی شعر انکا یاد نہیں استاد تسلیم نے انکا ذکر اکثر کیا ہے - منشی اعزاز الدین اعزاز - مہتمم گلدستہ حدیقۂ حامدی رامپور وہیرخیہ تلامذہ تسلیم سے ہیں - صحبت یافتہ اور اہل ہیں - جس زمانہ میں یہ گلدستہ جاری تھا میری اور انکی غزلیں ہمراہ استاد برابر چھپا کرتی تھیں - نعت گو ہیں اور اس ذریعے سے خدا نے دونوں عالم میں انکو ممتاز کیا ہے - فارغ البال ہیں -

کلام اعزاز متعلقہ نعت شریف

حسرت ہے الٰہی کہ دم نزع سراسر
نقش قدم سید والا پہ دھرا ہو
محشر میں شفاعت پہ یہ فرمائیگا خالق
تم خلق کے مختار ہو دیدو جسے چاہو
روز و شب کو حقیقت میں لشکر و مہ کہتے ہیں
آپکے گیسو و رخ کا یہ اثر دیکھتے ہیں

ہمارے دیرینہ روشناس (ان) کا گلدستہ نظر امیر مینائی میں بہی ممتاز تہا اُس زمانہ میں داغ - و امیر سب رامپور میں موجود تھے اور اُن لوگوں کا کلام اسمیں اکثر چھپا کرتا تھا -

سید عطا کریم عطا - یہ خاص باشندہ بہار شریف ہیں - عمر پینتیس سال کی ہو گی - آدمی ذی علم صاحب تمیز و صاحب فن ہیں استاد تسلیم نے انکی نسبت اپنے گرامی نامے میں یوں لکھا ہے - (گرامی نامہ تسلیم)

محبی و مشفقی زاد عنایتکم بعد سلام سنت الاسلام کے مظہر مدعا ہوں کہ بسر طرح خیریت ہے اور صحت و عافیت آپکی ایزد تعالی سے چاہتا ہوں آپ کا کارڈ جوابی آیا حال معلوم ہوا - دیوان آپکا دیکھا اور کچھ باقی ہے

انشاء اللہ اس ہفتہ میں دیکھ لونگا۔ مگر اوسکی روانگی میں تردد ہے کہ اکثر غزلیں دوسروں کو بھیجیں مگر اون کو نہیں چھپوائیں شاید ڈاک کی نہ کہا جاتا ہے تین غزلیں سید عطا کریم عطا کی بہار بھیجیں وہ نہیں چھپوائیں شکایت آئی ہے اور رامپور سے گلدستۂ نوشتی لوگوں نے اور دیگر گلدستے والوں نے اسقدر مجھکو پریشان کیا کہ میں نے شعر شاعری قطعاً ترک کر دی ایک مصرع نہیں کہتا اور ہمارا وہ ہے کہ اس فن کا نام لوں اکثر دوست آشنا واہل گلدستہ ناخوش ہو گئے (آپ شاگردوں کو بھی دوست ہی فرماتے ہیں) میں سنے پچہتر والا ہوں کہاں تک زندگی پر تکیہ کروں اب پھر زمانہ مرنے کا ہے باہرہ خیال کا

رقیمۂ الوداع محمد امیر اللہ تسلیم از رامپور ۱۰ نومبر ۱۹۱۲ء

سید صاحب شرفاء بہار میں ہیں مگر شاعری انکی بصورت مخفی ہے گیا میں ایک بار آئے تھے اور جیسے ہی ملے تھے ایک عزیز انکے مولوی منظور احمد صاحب نے انکی خاطر سے ایک مشاعرہ آبگلہ کے محلہ میں جو اسکے مضافات میں بصورت قریہ ہے کیا تھا اور مجھکو بھی بلایا تھا۔ سید صاحب نے بڑی توقیر کی تھی اور مجھکو خاص کیا تھا استاد کی آبرو بڑہانے کو منقطع مشاعرہ کیا تھا اسمیں گیا کے تمامی چیدہ شعرا شریک تھے۔ اسکے بعد سید صاحب بہ چند بار آئے مگر مجھسے نہیں ملے نہ خبر دی عجب نہیں دیوان تمام ہو مگر غزلوں کو چھپوانا گناہ جانتے ہیں طبیعت نہایت رنگین واقع ہے اور رنگ تسلیم اسمیں موجود ہے۔ صوبۂ بہار میں اب بجز انکے کوئی اچھا شاگرد جناب تسلیم کا باقی نہیں ایک مطلع انکا مشہور ہے۔

عطا بہاری سے

ہم ہیں وزانِ جنوں کنول لالۂ صحرا لی کا ۔ عرق جنگل میں ہے شاید ترے سودائی کا

مولوی نظیر حسین نزیاد صاحب بھی باشندگان بہار میں ہیں۔ خوش فکر آدمی ہیں طبع رواں رکھتے ہیں ابتدا میں مولانا شوق نیموی کے شاگرد تسلیم کے شاگرد رہے پھر استاد تسلیم کے شاگرد ہوئے ۔۔۔ مشاعرہ سے

جس میں نقطا رو چنانچہ ابھی تھوڑا عرصہ ہوا کہ بدر کے ایک مشاعرہ میں پیش ہو کر ہوئے تھے ۔ داغ کے رنگ سے طبیعت انکی ملتی جلتی ہوئی ہے ۔ استاد تسلیم نے اپنی ایک تحریر میں انکی اصلاح کا ذکر فرمایا تھا کوئی شعر یاد نہیں ۔

حسن افضل بدر بدایوں کے رہنے والے ہیں اپنے کو جناب تسلیم کا شاگرد کہتے ہیں

اس زمانہ میں اسی سبب سے تاریخوں کی قدر باقی رہی ہے مگر لوگ بے سمجھے بوجھے تعریف کے پل باندھ دیتے ہیں ۔ اور آداب و القاب اور خطاب بات کو زینت پہنچتے ہیں ہر وقت صاحبان مطبع کی طرف سے بڑا ہی کرتا ہے ۔ استاد تسلیم کا دیوان دوم جب مطبع نامی میں مطبوع ہوا تو بدر صاحب کو شاگرد رشید رقم کیا اور مجھ پر کاتب نے ایک عجیب عنایت کی ۔ یوں تو صد ہا غلطیاں کتابت دیوان میں موجود ہیں مگر ہماری تاریخ کی اصلاح میں کوئی بات اٹھا نہیں رکھی ۔

عرش سے

کہی منقوطہ میں تاریخ ای عرش یا ٭ کہ زیبا آسمان نظم و نکش

اسکی مرمت یوں کی گئی ہے کہ ۔

کہی منقوطہ میں تاریخ ای عرش ٭ مزین آسمان نظم و نکش

مزین بمعنی مزین جو کاتب مطبع ہذا نے قرار دیا ہے عقل کی سلامتی ہے اور اور مزین لغوی صورت میں جسقدر صحیح ہے وہ بھی اظہر من الشمس ہے

بدر صاحب کی اکثر غزلیں مجھ سے ہا کرتی ہیں اور خطوط اکثر آتے ہیں مضمون یا ہوا آوری ہوں ۔ کوئی شعر اتنا یاد نہیں ۔ اسکے علاوہ چند غیر مشہور تلامذہ کی فہرست ذیل میں درج کیجاتی ہے ۔

قدرت علی خاں قدرت ۔ اہلمد صاحب ناظم فوجداری رامپور ۔ کلام انکا خود ظاہر کر دیگا کس پایہ کے ہیں ۔

کلام قدرت

تیر تیغ کے گلے پہ چلے خنجر نو نہ مرا | الم ہم کسکے تڑپنے میں سو الطف جفا
وہ تیر نہ چلی اگر آجائے چمن میں | تب دیکہ کس طرح رنگ کل غنچہ ہوا ہو
انصاف کے معنی نہیں یہی داد و ستم | رنجیدہ ہو تو کم ہو جو الم ہو تو سوا ہو
خون ہو کہیں کیوں تیغ ہیں کو خسرو جولی | الم دو بلا درد کی پابوس خدا ہو

کیوں بیٹھے ہو سر اپنا جہکائے ہوئے قدرت
وہ تیر کا دم بہرتے ہیں تم اور کو چاہا ہو

افسر۔ جناب احمد حسین خانصاحب۔ اپنے کو تسلیم کا شاگرد فرماتے ہیں

کلام یہ ہے۔

میری میت پہ کسی کے سوا | نوحہ گر کوئی دوسرا نہوا
فتنہ پرداز۔ پر دغا۔ ظالم | تجھسا دنیا میں دوسرا نہوا
تجھکو سوا آپ تباہ کیا | پھر یہ کہتے ہو تجھسا نہوا
تیرے کوچے میں کی تمنا تھی | افسر اوسکا نقش پا نہوا

محمد اکبر سررشتہ دار عدالت دیوانی۔ حبیب اللہ خان حبیب۔ خلیق الرحمن کلیم معاون المحمد متعلقہ سوپرنٹنڈنٹی۔ لالہ کنز کا پرشاد وشیدا۔ غلام حضرت خان حاذق۔ آخر الذکر شاگرد کا کلام کمال دلی میں آجکل چھپتا ہے اونکے شعروں سے انکا پایہ بلند معلوم ہوتا ہے خبر نہیں واقفیت فن کا کیا حال ہے۔ راضی کالج الموڑہ کے پروفیسر ہیں۔

کلام حاذق

چار و طرف ہے جلوہ حق کا ظہور ہو | پہر کیوں خصوصیت کو فقط کوہ طور ہو
جو مست شراب محبت میں چور ہو | کیا اوسکو آرزوے شراب طہور ہو

کنور امید سنگھ ایک بوڑھے لئے انکی مخالفت ہی کی سے گذرا ... نے مجھکو یہ مان لینے پر مجبور کردیا کہ یہ تسلیم سے اپنے تلامذہ میں معلوم

ہوتے ہیں ؎

ابتک جو ختم عمر دوانکا سفر ہوا — رہرو کا کیا گناہ جو منزل ہی دور ہو

ضبط الم ہے شرط محبت و گریہ میں — چیخوں تو دم بخود ہے نالوں کا قصور ہو

قطعہ

تسلیم کو جو آج نہ مانے امام فن — جا ذوق نہ اوسکو شعر و سخن میں شعور ہو

مٹی خراب شعر کی کرتا ہے وہ جیسے — تیر قافیہ ہو یہ مسلم بحور ہو

ہمارے ایک گرامی نامہ میں نبی علی کشتہ کا ذکر کیا اور معلوم ہوا کہ مدراس اور الہ آباد میں بہت سے شاگرد جناب تسلیم کے ہیں مگر خبر نہیں کیا کرتے ہیں باوجود اعلان کسی نے کچھ نہیں لکھا۔ اور اوستاد تسلیم کا تو قدیم قول ہے کہ میں اس زمانہ میں اپنا شاگرد کسکو بتلاؤں البتہ شعرائے نو کہن کا واسطہ ہوں۔ رامپور کے نوشتوں سے نا ک میں دم ہے معلوم نہیں رامپور کے وہ کون سے نوشتہ ہیں جنکی خبر صاحب نے بھی خبر لیتے کہ جھوٹے دعوے سے وہ لوگ باز آئیں

امیر آئی ہو مجھکو شرم اس محفل میں کچھ پڑھتے — کہیں ناشمر اور کامل جہاں اہل فن کے بیٹھے ہیں

ان تلامذہ نامور اور اہل فن کے آگے اپنا ذکر نا سورج کو چراغ دکھلانا ہے اس لیے کہ میں ان تمامی حضرات میں کمتر اور حقیر ہوں اور شاگرد تسلیم کہے جانے کا مستحق نہیں۔ البتہ دعوائے کفش برداری ضرور ہے اور اسی لحاظ سے اوسکے غلامان غلام میں بغرض یادگار حیات مستعار اپنا نام بھی درج کئے دیتا ہوں۔ انہی مفصل حالات کے رقم کرنے کی ایک دفتر کی ضرورت ہے۔

تصیر الدین احمد سحر جن کی خاندان اجداد و مضافات صوبہ بہار کے رہنے والے تھے از ابتدا تا زمانہ والد مرحوم کسی نے بجز زمینداری کسی قسم کی ملازمت کی تر کسار کے والد منشی بندہ علی مرحوم ترک وطن کر کے گیا میں آئے اور یہاں وکیل مجسٹریٹ ہوئے بحیثیت تسیکان - بنگلہ - باغ - گھوڑا گاڑی

تحائف قسم قسم کے سامان امارت حاصل کیے مگر ہنوز وقف اولکا ناتمام تھا
علیل ہو گئے اور تقریباً چھتیس ۳۶ سال کا زمانہ صاحب فراش رہ کر گذرا
یہانتک کہ بغیر دوسرے کے کروٹ بدلنا محال تھا۔ ہندوستان کے
ہزاروں حکیموں ڈاکٹروں کا علاج کیا کچھ کارگر نہوا۔ آخر زمانہ میں فقرا
اور بزرگان دین کے مزاروں سے حاجت روائی چاہی۔ اجمیر شریف
دہلی۔ اور دیگر مشہور مقامات میں چلہ کش رہے۔ اور فقرا اور اہل دل
کو جس طرح ہوسکا خود دیکھ چکے اور اکثر کو مہمان کیا مگر یہ بھی بیکار نکلا آخری
درخواست حضرت مولانا فضل الرحمن صاحبؒ کے حضور میں کی خود گنج مرادآباد شریف
تک تو جا نہ سکے مگر نادر تحفہ کے ساتھ اکثر لوگوں کو بھیجا حضرت نے فرمایا
کہ میں اون کے خاتمہ بالخیر کی دعا مانگتا ہوں اور کوئی خواہش فضول ہے
غرض اس ذریعہ سے اسرار ربانی اور حکم خداوندی کا پتہ مل گیا۔ اور بالکل
متوکل ہوکر بیٹھ رہے۔ اس سارے زمانہ میں لاکھوں روپیہ صرف
کیا اور تقریباً ایک لاکھ روپیہ علاقہ پر قرض بھی ہوگیا یہانتک کہ
۲۰ ماہ رمضان المبارک سنہ ۱۳۱۰ھ کو انتقال فرمایا۔ گیا محلہ ڈبلیا کے ایک
خاص باغ میں جہاں عمر کا آخری حصہ گذرا تھا اب بھی آرام فرما رہے
ہیں یہ تاریخ وفات ہے

دار ہستی سے والد مغفور ؛ چھوڑ کر ہائے ہمکو آج گئے
مصرع سال انتقال ہے عرش ؛ آہ باغ ارم کو آج گئے

تا دم مرگ نہایت فقیر دوست اور پابند صوم و صلوۃ رہے سخاوت
کی بدولت گیا والوں میں سب سے زیادہ مشہور و ممتاز تھے۔ گورنمنٹ
کی نگاہ میں اونکا [illegible] ضلع کے [illegible] تھی۔ مرحوم انجمن اسلامیہ
گیا کے سکریٹری بھی تھے۔ ایک کثیر آمدنی کا علاقہ چھوڑا [illegible] اور
ایک بہن [illegible] انتقال بنارس سے واپسی پر [illegible] سے دیکھ

ہوا تھا اور یہ دردناک واقعہ نسیم الاخبار بنارس میں درج ہو چکا ہے) اوسکے
مالک تھے۔ بدنصیبی سے بھائیوں میں نفاق ہو کر گھر بالکل مٹ گیا۔ مہاجنوں
نے تعلقہ کا تعلقہ کوڑیوں کے مول نیلام کرا کے لے لیا یہانتک کہ نوبت
ملازمت آئی ہے۔ دو اور بڑے بھائی ہیں ایک مولوی امیر الدین احمد پیشکار
محکمہ ججی گیا۔ دوسرے مولوی نظیر الدین احمد ہیڈ اسٹور کلرک ڈی۔ ٹی۔
ایس۔ افس گیا۔ تیسرا یہ بدقسمت جو بنارس اور مرزا پور میں امیدوار
سب رجسٹراری رہ کر اب ریلوے میں آکر پڑا ہے۔ اور سر کھپ کر کسی
طرح بسر کر رہا ہے۔ عربی فارسی کی تعلیم مولوی عبد الکریم صاحب
مرحوم بھاپوشی اور مولانا محمد اسحٰق صاحب سے جو علمائے روزگار سے تھے پائی
اور انگریزی تعلیم برائے نام ضلع اسکول گیا میں ہوئی۔ فن شاعری میں ابتدا
بشوق خود تخلص غزلیں بزمانہ قیام بنارس و غازی پور علامہ مولانا شمشاد
علی لکھنوی سے کہلاتی تھیں اوس زمانہ سے اسوقت تک متروکات زبان
کا پابند ہوں۔ ایک دیوان موسوم بہ نیشکر سخن داغ کے رنگ کا مرتب
کیا۔ فائز بنارسی و دیگر مضمون رس شعرا کی صحبت میں وہ دیوان نذر
ہوا یہانتک کہ پھاڑ ڈالا۔ دوسرے دیوان کی ابتدا تلخ و شیریں کے رنگ سے
کی جب استاد تسلیم مدظلہ کی اصلاح کا شرف حاصل ہوا تو وہ رنگ بھی پسند
نہ آیا۔ دلی والوں کے انداز بیان اور درد انگیزی مضامین کا دلدادہ ہو گیا
یہانتک کہ ایک زمانہ کے بعد دوسرا دیوان موسوم بہ اسم تاریخی نظم نونگار
مرتب کیا یہ تمام و کمال استاد تسلیم کا اصلاحی ہے۔ اسی دیوان کی تاریخ
استاد تسلیم نے اپنے دیوان دوم میں درج فرمائی ہے۔

رہا اوج فکر فلک سیر شوق ⁂ سراپا ہے الہام جسکا سخن
کیا جمع دیوان جسنے نظام ⁂ ہوا سرمۂ چشم اہل زمن
کہی ہے یہ تسلیم تاریخ سال ⁂ یہ دیوان ہے نظم ارباب فن

دیگر

زہے عرش فیض جاہ شیوا بیاں ⁂ ہوئے کلامش چو اعجاز فرخ سرشت
نمودہ است ترتیب دیوان خویش ⁂ چو گلدستۂ بزم باغ بہشت
پئے سال تسلیم شوریدہ سر ⁂ بگفتہ خوب و مکمل دیوان نوشت

علاوہ اسکے اور آٹھ برس ہوا وسوقت زندہ تھے مثل نفیس صاحبزادہ میر انیس مرحوم جناب امیر مینائی - جناب داغ و ظہیر اور حضرت استاد ظلہ و مرزا اشتقر صاحب اوج یادگار دبیر وغیرہ نے تقریظیں اور تاریخیں موزوں فرماکر بھیجدیں جسکا اعلان اوسی زمانہ میں کردیا گیا - مگر وائے گمنامی کہ دیوان ہنوز غیر مطبوع ہے اور کلام اپنا پسند نہیں جب دیکھتا ہوں کچھ تبدیل کردیتا ہوں غرض یہ مجموعہ پریشان انتظار قدردان میں پڑا ہوا ہے - علاوہ اسکے ایک ناول شہر نافرمانی جو یادگار کم عمری ہے ایک دوست کی ضد سے چھپ چکا ہے مجھے بالکل پسند نہیں - تیسری کتاب حیات تسلیم ہے لاہور میں چھپی جسپر بعوض تاریخ یہ دو شعر استاد تسلیم نے بھیجے تھے

ہو جسکی حشر میں اوسکی توقیر ⁂ زندگی میں نہ ہوئی جسکی تعظیم
دونوں عالم میں ہے یکساں ہمدم ⁂ مرگ تسلیم و حیات تسلیم

تیسری کتاب نا تکمل صحیح محاورات اردو میں ہے جسکے اکثر اوراق خدا جانے کہاں غائب ہوگئے - چوتھی کتاب تحقیقات فن اور بحث عروض قافیہ میں ہے یہ بھی تکمیل نہیں ہوئی - پانچویں کتاب تاریخ آگرہ و دہلی ہے جسکا نام بارگاہ سلطانی رکھا تھا اسکا حق تصنیف لیکر اخبار کے ایڈیٹر نے دو برس تک اپنے مطبع میں ڈال رکھا تھا اور بالآخر قدر بے بضاعتی سے اونکو مجکو واپس دینے پر مجبور کیا شاید اس آب و رنگ کی تاریخ ناظرین کی نگاہ سے نہیں گذری ہوگی میں نے عرق ریزی کی ہے - اور دوبارہ سہ بارہ نظر میں تکمیل کو پہونچی ہے کوئی لائق اعتبار

سطیع اگر نظر آیا تو اوسکے حوالہ کرونگا چھٹی کتاب اپنا تیسرا دیوان ہے جس میں مختلف مذاق کی غزلیں وغیرہ ہیں۔

اسکے علاوہ قومی خدمات کے لحاظ سے عرصہ تک اینچ۔ لاہور پنچ۔ اودھ پنچ۔ عسل پنچ۔ نیر اعظم۔ پیسہ اخبار۔ مخزن۔ اُردوے معلے۔ وغیرہ کی نامہ نگاری کی ہے اور ایک عرصہ تک اصلاح اہل وطن کے لیے بہار پنچ کی ایڈیٹری کی اب یہ ستارہ اعلی جرچا چاتا رہا۔ انجمن اخلاق نامی ایک انجمن کے سکرٹری کے فرایض بھی ادا کیے مگر یہ کوئی جادو اہل وطن پر نہ چلا اور وہ باوجود علم و دولت کے مذاق کے پسندار رہ گئے۔ صرف محبان وطن میں جناب بابو نند کشور لعل ایم اے وکیل و زمیندار گیا اور خان بہادر مولوی خیرات احمد وکیل نے ہمیشہ اس ناچیز کی قدردانی کی اور انکے قلمی خیالات اخبار میں درج بھی ہوئے۔ اور اس میں سے اپنے آخری زمانے میں بغرض استحفاظ زبان ایک شاعر خاندان مومن کی بنیاد ڈالی ہے۔ یہ زیر انتظام عزیزی حافظ ولایت اللہ ابر سلمہ جنکی طبیعت ورد خیز اور مضمون رس واقع ہے برابر ہوا کرتا ہے۔ اس میں اسوقت کے نکتہ رس لوگوں میں میرے عنایت فرما اور مہربان منشی احمد علی صاحب عشرت یادگار غالب۔ حکیم نبو صاحب ہلال بنارسی یادگار غالب مگری شہزادہ مرزا سلطان شکوہ صاحب جاہ دہلوی اور شہر کے نوجوان شعرا میں عزیزی منشی مجیب الدین نجم سلمہ جواب حضرت شمشاد کے شاگرد ہیں اور ناسخ و میر کے رنگ کے شیدائی ہیں۔ شیخ الہی بخش ایجاد۔ کبھی کبھی منشی وحید الدین ساحر کشمیری وغیرہ اور

کلہ یہ بھی ابر شاہجہانپوری ہیں جنکی غزلیں اکثر اردوے معلے میں چھپتی ہیں۔ یہ ہمارے قدردان مولوی فدا الدین صاحب بلخی وکیل کے مدار المہام ہیں۔

نکتہ فہم رؤسا میں مکرمی خواجہ حمید جان عرف پیارے صاحب اور انکے ہونہار صاحبزادے شہزادہ میاں وغیرہ اور باہر والوں میں نواب شمس العلما مولوی امداد امام صاحب اثر عظیم آبادی۔ اور شفق عمادپوری وغیرہ شریک ہوا کرتے ہیں۔ ان میں عشرت اور اثر کا پایہ بہت بلند ہے اور میں جسقدر ان اصحاب کا شکریہ ادا کروں کم ہے۔ سرمشاعرہ جو توقیر اس ناواقفِ فن کی یہ اصحاب فرماتے ہیں اوسکا اظہار چھوٹا منہ بڑی بات ہے۔

ارباب وطن کی ناقدردانیوں کا رونا ہر شخص کے ساتھ رہا ہے یا ر و نکی غیبت اور بدگوئی کی عادت جیتے جی تو جانے سے رہی ہے۔

وطن میں جوہر ذاتی کی چاہ کیا تسلیم ؛ صدف میں قدر نہیں آبروئے گوہر کی

اور کیا لکھوں۔ جناب تسلیم کے باکمال تلامذہ کے آگے اپنے شعروں کا پڑھنا اور درج کرنا اپنے کو رسوا کرنا ہے اہل ملک کو ہر وقت اوسکے دیکھنے کا موقع ملا کرتا ہے۔

اس تطویل لاطائل بحث کو تمام کرکے اپنی اولاد کا ذکر کرتا ہوں کہ محل اول سے ایک ہونہار لڑکا جلال الدین احمد تھا جسنے داغ مفارقت دیا اب صرف محل ثانی سے ایک لڑکا صغیر سن صلاح الدین احمد باقی ہے۔ شعر و شاعری میں نہ میں کسی کا جانشین ہوں نہ کوئی میرا سجادہ نشین۔ آجتک تو یہی ہے آگے کی خبر خدا جانے۔ سلسلہ بیعت بواسطہ حضرت مستان شاہ صاحب مدظلہ مولانا فضل الرحمٰن سے ملتا ہے۔

احباب باکمال اور اہل نظر سے معروض ہے کہ اس رسالہ میں اگر کسی جگہ لغزش پائیں تو دامن عطا سے ڈھانک دیں کہ طریقہ نفوس پاک کا ہے۔

وباللہ التوفیق۔

؎ یہ شادی دلی کے شریف خاندان میں ہوئی۔ محلہ دریا گنج انکا مقام سکونت ہے۔

غزل در شان استادی ملک الشعرا حضرت [illegible]

سوتی باغ جہاں سلیم ہیں | بلبل ہندوستاں سلیم ہیں
ہوسمند طبع اقدس آپکی | موج بحر بیکراں سلیم ہیں
ہوا ہے انکے شاعری کا ہر جگہ | سوتی ہندوستاں سلیم ہیں
وہ ہیں سے استاد میں شاگرد | ہیں زمیں پر آسماں سلیم ہیں
لو امیر و داغ بھی ایک دل | صدقہ ایک اہل زباں سلیم ہیں

اندلیب ہر روز باغ ذکر آتے | غیرت [illegible] آسماں سلیم ہیں
تھے جو بحر [illegible] رنگ ناسخ | ایک [illegible] انکے شہر آزاد سلیم
کیوں [illegible] میں [illegible] ہو یا پاک | آپ بھی نام [illegible] سلیم ہیں
کیجئے [illegible] کہیں [illegible] | اب [illegible] دل [illegible] سلیم
عاقبت [illegible] بلبلاں سے یہ | پھر ہو کر بھی جواں سلیم ہیں

حضرت یا مولوی استاد ہیں یہ عرشی [illegible] نہیں ہیں

غزلیات حضرت عرشی باخود از انتخاب اردوئے معلی علیگڑھ [1]

جب کے داغ الم دل میں پھر لا نظر آیا
پھر اور ہی نقش غم آیا نکا پا یا
ایک ہی تیر نکالی وہیں پیکان ستم نے
جی ہی تو ہے اپنا جسے چاہا اوسے چاہا
اب رات نہیں صبح کے آثار ہیں ظاہر
دیکھے وہم بہت بخت جو تو نے بیاں کیا
جسم پر میرے جراحت کی بدل دیں صورتیں
دکھیں نہ جل کے محبت ہی اتنی بڑھا دی
پھر بھی مشکل نہیں بس ہی مشکل [illegible]
دیکھے الہی [illegible] [illegible]

اس گل میں پھول [illegible] ہے [illegible] کر دیا
ایک اور ہی عالم [illegible] نظر آیا
کچھ دیکھ کی دل کا جہاں ہم پھر آیا
دل ہی تو ہے [illegible] جدھر آیا ادھر آیا
پیدا یہ ہوا ہے عرشی کر دیکھ سفر آیا
وا کر دی بھی ہے اس مشکل کو آساں کر دیا
تو نے [illegible] کو [illegible] گداں کر دیا
[illegible] باغ دہر میں گل کو نمایاں کر دیا
کیسی کیسی مشکلوں کو تو نے آساں کر دیا
[illegible] اپنے [illegible] سے [illegible] کر دیا

خوب ہے ہم کیا ہے کام مرا
کام میرا کیا ہے نام آشنا
صورت [illegible] جیل [illegible]
[illegible] سے اور کون [illegible]
عرشی کیو [illegible] قفس کر [illegible]

[illegible] ای اب تو لے سلام مرا
آہ وہ عشق نا تمام مرا
دیکھ انجام و اختتام مرا
دوست ہے ایک چراغ شام مرا
[illegible] نہیں وہ ہے امام مرا

تمام

[1] حضرت عرشی نے اپنے استاد کا پورا نام درج کتاب نہیں کیا اسلئے اس کی کو ہم پورا کئے دیتے ہیں۔ حسرت

عرشؔ کا سفر رامپور بعد انتقال اوستاد تسلیم

بے جگہ شام ہوئی جاتی ہے جنگل ہے اندھیر ☆ ہائے کیا پہونچینگے منزل پہ کہ اب دن ہی نہیں

لو اب تو آفتاب عالمتاب غروب ہوگیا اوسکی نورانی دامن کی روشنی بھی اوسکے دم کے ساتھ گئی۔ شام غربت کی تاریکی کا اثر ہر گوشۂ آسمان سے نمایاں ہو رہا ہے۔ باد مخالف کے تیز جھونکے بزم سخن کی شمع کو بجھا ہی چکے تھے۔ وہ ایک طرف سے تیرہ بختی کی کالی گھٹا بھی اٹھی۔ ساری امیدوں پر پانی پھیرنے والی مینہ کی بوندیں بھی ٹپکنے لگیں۔ آہ مجھ سے غریب الوطن کو بے جگہ شام ہوئی جدھر نظر اوٹھاکر دیکھتا ہوں جنگل اور صحرا کا عالم نظر آتا ہے۔ راہ منزل کا پتہ نہیں۔ کوئی خضر نہیں رہنما نہیں پھر یہ فکر کہ

سب کہتے ہیں تسلیم کو زندہ ہیں ابھی تک ☆ سنتے تھے کہ کوچے میں سنا اور کہیں سے

آہ۔ اوستاد تسلیم کی موت وہ موت نہیں ہے جسپر ایک میں اپنی عقیدت کے آنکھوں سے آنسو بہاکر اوسکے مزار پر پھول چڑھاؤں۔ یہ زبان اردو کی موت ہے جسکی پیدائش بلحاظ سخن عہد حاتم میں ہوئی تھی اور سلسلہ بسلسلہ اساتذہ سلف سے ہوتی ہوئی اوسکی عمر آپ پر تمام ہوگئی۔ یہ وہ مزار ہے جسپر سارے اکابر فن کی آنکھیں سچے دل سے ہزاروں برس تک آنسو بہاکر موتیوں کے ہار چڑھائیں۔ جنت آرامگاہ نے ایک سو تین سال کی عمر میں عہد ناسخ و آتش سے اسوقت تک صدہا صاحبان فن اور ہزاروں اہل کمال کو دیکھا اور [illegible] آپ کے سامنے اوٹھا۔ بلحاظ [illegible] تو اس [illegible] ہے کہ ہمارے نصف [illegible] اساتذہ سلف سے اسوقت تک آپ کی ہی ذات سے وابستہ تھے۔

ناظرین آج بیس برس سفر کے موقع پر میں نے یہ ارادہ کرلیا تھا کہ

اوستاد تسلیم کی آخری زیارت کا شرف حاصل کرونگا کیونکہ اونکی علالت
کا اس پیرانہ سالی میں سلسلہ بندھا رہتا تھا یہانتک کہ حضرت اوستاد کو طلاع
بھی دی ہی اور بقصد زیارت میں اپنے اسٹاف اور اسباب کے ساتھ
گیا اسٹیشن پر جاکر ٹرین کا انتظار کر رہا تھا کہ دفعتاً ایک تار ڈبلبل تسلیم
کا ملا جسمیں مرحوم کے انتقال کی خبر تھی ایک ایسے کمر بستہ مسافر پر جیسا
کہ میں تھا اس تحریر نے کیا اثر کیا ہوگا اوسکی تشریح کی ضرورت نہیں
مختصر یہ کہ جو اس بجا نہ رہے اور صورت مجبور ہر ایک جگہ سے ہلنے کے کام
کا نہ تھا مگر آفرین اس ضبط غم پر اور اوس جوش محبت پر جس نے اس حالت
میں بھی اسی طولانی سفر میں دستگیری کی اور میں علی گڑھ کی راہ سے
رامپور تک پہونچا۔ علی گڑھ اسٹیشن میں ہمارے قوت بازو بھائی۔ مولانا
فضل الحسن بی۔ اے۔ حسرت تخلص اڈیٹر اردوئے معلّے و تلمیذ رشید
اوستاد تسلیم کو میرا انتظار تھا۔ ان سے ملکر میں نے یہ افسانہ غم
بیان کیا جسنے حکم فرحت شان پر لباس غم پہنا دیا۔ اور تھوڑی
دیر کی یکجائی میں بھی آسمان ستم شعار نے خوش ہونے کا موقع
نہ دیا۔ پھر بھی حسرت صاحب کی ملاقات نے اونکی برادرانہ محبت کا
پورا پورا ثبوت پہونچایا اور جب تک میں رامپور روانہ ہو لیا وہ پاس
رہے واپسی میں ٹہرنے کا وعدہ کیا مگر وائے بخت فرصت کا وقت
ختم ہو گیا تھا حسرت کی حسرت ہی لیئے ہوئے براہ راست واپس آیا۔
حسرت خوش نوائے مفارقت کے بعد میں رامپور پہونچا اور بلبل تسلیم
جناب محمد اسمعیل خان صاحب صابر تلمیذ تسلیم کو اسٹیشن سے اپنے آنے کی اطلاع
دی انہوں نے گاڑی بھیجکر مجھکو نہایت اخلاص کے ساتھ اپنا مہمان
کیا۔ یہاں صاحبزادہ محمد حسن صاحب یادگار اوستاد مرحوم جنکی عمر
تقریباً اٹھاسٹھ سال کی ہے تشریف لاتے تھے (نگل بلیغ آرزو) اونکی

ولادت کی تاریخ منشی اشرف علی صاحب مرحوم شاگرد نسیم نے فرمائی تھی گو ان کو فن شعر سے تعلق نہیں مگر دیرینہ کرمفرما ہونے کے نہایت شفقت سے پیش آئے اور گلے لگایا۔ صاحبزادہ صاحب کی صورت اور سیرت سے پیر استاد تسلیم کا صاف دھوکا ہوتا ہے خدا آباد و سلامت رکھے۔ فرماتے تھے کہ تو اسوقت آیا جب والد صاحب چل بسے۔ کہتے تھے کہ ڈیڑھ مہینہ قبل انتقال کے لکھنؤ آنکھوں کے بنوانے کی غرض سے تشریف لے گئے تھے نشتر گہرا لگ گیا اور غذا ہی ترک ہو گئی صرف پانی کے سہارے چند دن زندہ رہکر ۲۸ ستمبر ۱۹۱۱ء پانچ بجے شام کو اس دار فانی سے رخصت ہو گئے۔ (چونکہ قدرتی طور پر آفتاب عالمتاب کے غروب ہونے کا وقت بھی آچکا تھا اس لئے آفتاب سپہر سخنوری نے بھی اوٹ لیکے اپنا منہ دامن ظلمت عدم سے چھپا لیا۔) آپ محلہ تال کٹورہ خداداد جا کے باغ میں سکون پذیر ہوئے۔ یہاں کی خصوصیت میں بھی ایک نکتہ تھا۔

حضرت استاذ الاساتذہ نواب اصغر علی خاں نسیم بھی لکھنؤ ہی کی خاک پر پاؤں پھیلائے ہوئے سو رہے ہیں۔ اور آخر زمانہ میں اشارہ فرما گئے تھے کہ

بند از مخمس تسلیم

شوق پا بوسی استاد اگر ہے تسلیم :: چل بسوئے گل وہیں ہو کے کسی عالم میں مقیم
کہہ گئے ہیں یہ دم رخصت جاں وقت نسیم :: طوف ہر نخل کرینگے صفت گرد نسیم
ہم پس مرگ بھی قربان گلستاں ہونگے

افسوس کہ صاحبزادہ صاحب نے عدم مذاق سخن کے باعث استاد تسلیم کی آمد اور انتقال کا کوئی ذکر طبقہ شعرائے لکھنؤ میں نہیں کیا ورنہ جنازہ کے ساتھ خدا جانے کتنا بڑا ہجوم ہوتا۔ اہل لکھنؤ کو کمال حیرت ہے کہ یہ واقعہ لکھنؤ میں کب ہوا اور کس طرح ہوا۔ خیر اب یہ رونا بیکار ہے ع۔ آں قدح بشکست و آں ساقی نماند۔ دعا ہے کہ خدا مرحوم کو جوار رحمت

میں جب ... سے اور صاحبزادہ صاحب جو آخری پارٹی کے استاد وہاں ...
نسل کو خانہ سے اپنے مرحوم شفیق ڈاکٹر ... پنشن کو ریاست سے پایا
کرتے ہیں۔ یہاں ... آپ چند باتیں اور عرض کرنا چاہتے ہیں۔ استاد مرحوم کا جملہ
... ایک ... [illegible] ... حسن ...
[illegible] ... شاگرد ...
[illegible]
[illegible] ... مرحوم سے ...
... بھی صحبت سے بنا ہے اور کبھی ... اس کی ... کی
سب بھی ... پہنچی ہیں بتدریج گذر جانے کے بعد جناب ضمیر صاحب کے یہاں
بڑی ... احباب کی خدمت ... سخن و عروض و قوافیہ
کی بحث میں ایک ایسا ... رسالہ ... تیار کرنے کی
کوشش فرمائی تھی ... جواب ... سے اس وقت تک ممکن نہیں
[illegible] ... حضرت ... صاحب سے ...
میں اکثر ... یہاں ...
... میاں قدرت علی خاں قدرت سے
میں آیا جو نام کو حضرت استاد کے شاگرد تھے
مولوی عتیق الرحمن صاحب ... نے کہا کہ لکھنو جانے سے چند دن پہلے
اکثر حضرات نے استاد سے عرض کیا تھا کہ ... میری ... اور بہت بڑھ
گیا ہے تو ... فرمایا ہے
جوانی سے زیادہ ... پیری جوش ہوتا ہے ... ہر کتاب ہے چراغ صبح جب خاموش ہوتا
سبحان اللہ ... سال کی عمر میں اور یہ کلام - اللہ اکبر
حضرت ضمیر فرماتے تھے کہ استاد نے علاوہ تاریخ بدیع کے ایک
مخفی حالات دربار میں بھی کتاب لکھی تھی - جو ریاست میں لال کتاب کے

تاہم یہ ہوسکتا ہے کہ اس میں حضرت افضل الدین خاں کے قتل کا واقعہ اور ظہیر [illegible] کس طرح سے حقیقی واقعات کی اطلاع ہے۔ جس وقت نواب صاحب کی خدمت میں پیش کیا گیا [illegible] انگشت بدنداں ہوئے اور پوچھا [illegible] تسلیم کس طرح [illegible] کہا کہ [illegible] ازل سے [illegible] خاص لوگوں سے [illegible] کبھی وہ خود [illegible] کیا کرتے ہیں کسی اور سے [illegible] نہیں

مرنے کے وقت تک اپنی عقیدت استاد کی نسبت فرمایا کرتے تھے کہ مجھکو آج تک جناب نسیم سے روحانی فیض پہونچا کرتا ہے ایک مرتبہ خواب میں دیکھا کہ وہ کسی گہرے کنویں سے پانی بھر رہے ہیں اور ڈول اسقدر گراں ہے کہ کھینچا نہیں جاتا آپ نے پکارا کہ تسلیم تو اسکو کھینچ آپ نے ڈول کو جا کر نکالا فرمانے لگے کہ یہ کنواں اس دشواری سے نسبت رکھتا ہے۔ استاد تسلیم جناب نسیم کا ہاتھ اکثر دبایا کرتے تھے اور تا دم مرگ روحانی فیض اس طرح پر حاصل کرتے رہے۔

آپ کے احباب کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حبیب عبد اللہ خاں مہر کلکتہ کے مشاعرہ جیت کر آئے تھے تو نسیم جنت مقیم کے یہاں اکثر تلامذہ نسیم یکجا ہوئے جنمیں منشی اشرف علی صاحب اشرف، میرزا محمد بیگ عاشق، عبد اللہ خاں مہر، نواب محمد تقی خاں، حضرت تسلیم وغیرہ سبھی تھے۔ نسیم نے اپنا یہ مطلع پڑھا۔

زخم آ جاتا ہے دشمن کی پریشانی پہ ۔ زخم رو دیتے ہیں شمشیر کی عریانی پہ

سنتے ہی سب نے اچھا داد دی اور سب کے سب جھومنے لگے استاد تسلیم نے داد دی مگر وہ جھوم [illegible] وجد نہ تھا یہ بات نسیم کی نگاہ میں کھٹکی آپ نے تسلیم سے پوچھا کہ میں تیری نظر پہچانتا ہوں

جو کچھ دل میں ہو وہ کہو۔ آپ نے فرمایا کہ جو کچھ حضور کا ارشاد ہے اور میں خستہ دل کیا طاقت۔ مگر نسیم کا اصرار بڑھتا گیا تو آپ نے فرمایا اگر میں کہتا تو یوں کہتا۔

زخم آجاتا ہے دشمن کی پریشانی پر   زخم خوں رو دیتے ہیں شمشیر کی عریانی پر

خوں رونے کے لفظ نے نسیم کو پھڑکا دیا اور دعائیں دیں۔ صاحبزادہ صاحب نسیم کے دیکھنے والوں میں ہیں کہتے ہیں نسیم کو آخر زمانہ میں کیمیا کا بڑا شوق ہو گیا تھا مختصر ایک طرف اس سے دل لگ گئے رہتے تھے۔ شاگرد پکار پکار کر واپس ہو جاتے تھے۔ آخر عمر میں ایک نکاح بھی کیا تھا جس سے ایک شوریدہ سر لڑکا تھا خبر نہیں کیا ہوا۔ بقایا نسیم کی نسبت کہتے ہیں کہ اپنی موت سے ایک ہفتہ قبل کہہ دیا تھا کہ اب گلشن فانی سے نسیم کی رخصت ہے عجیب اتفاق کہ روز مرگ گھر میں کوئی مرد موجود نہ تھا اپنی بی بی سے کہا کہ چار عورتوں کی گواہی معتبر ہو گی ایک تم ہو ایک لونڈی دو عورتوں کو باہر سے اور بلوا لو چنانچہ دو اور آئیں آپ نے فرمایا کہ تم لوگ گواہ رہو کہ میں ایمان صادق کے ساتھ اٹھتا ہوں کلمہ پڑھا اور راہی ملک بقا ہوئے۔ غرض صاحبزادہ صاحب دیر تک سال سے عجیب عجیب واقعے بیان کیے جنکے اندراج میں خوف طوالت ہے اور غرض اصلی سے دور ہو جانا پڑے گا۔ اسی سلسلہ میں صبر صاحب کی عنایتوں کے ذریعے سے بعد موجودہ تلامذہ نسیم کی بلاغت اور کلام پر روشنی ڈالنے کی کوشش کرتا ہوں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حاجی اسمعیل خان صبر المخاطب بہ بلبل تسلیم جو ایک سعادتمند صاحب رشید وصاحب اثر شاگرد ہیں استاد تسلیم کے ہیں خاکسار کی غایت درجہ مہمان نوازی کی چونکہ عرش کی آمد کی خبر اہل رامپور کو ہو چکی تھی اور یہ بھی معلوم تھا کہ یہ ایک صاحب دیوان خادم تسلیم کا ہے اسلیے اطراف

وجوانب کے شعرا کی آمد ہوئی صبح سے بارہ بجے شب تک شعر و
سخن کا چرچا رہتا تھا مختلف اساتذہ کے شاگردوں کے علاوہ اوستاد
تسلیم کے تلامذہ کی بھی کثرت رہی اور یہ چند دن جو رامپور میں گذرے بڑے
مزے میں گذر گئے۔ بلبل تسلیم کے علاوہ ہمارے دلی دوست جناب
قاضی تدر حسین فانی وکیل ریاست۔ جناب شمس الحق خیال تلمیذ تسلیم وکیل
ریاست۔ ہمارے مخدوم مکرم جناب محمد یار خانصاحب ناظر [illegible]
جہاں اوستاد تسلیم نے اپنی عمر کا آخری حصہ گذارا تھا۔ جناب منشی محمد اکبر نشتر
شاگرد تسلیم۔ جناب منشی واحد علی صاحب آبر شاگرد امیر مینائی نائب
میر منشی ریاست۔ عالیجناب میجر جنرل بہادر جناب مہر شاہ خانصاحب
مہر وغیرہ نے اپنے گھر طلب فرما کر دعوتیں کیں۔ اکثر نے ٹی پارٹی دی۔
اکثر نے صحبتیں قائم کیں۔ ان سارے جلسوں میں عمائدین اور نامی
شعراء تشریف فرما ہوتے رہے جنکا کلام اپنی جگہ پر درج ہوگا۔ غرض
میں اہل رامپور کا شکریہ نہیں ادا کر سکتا کہ اون اصحاب باکمال
نے کسقدر نوازشیں اور عزت افزائیاں کیں۔ اور بقول حضرت صبر
یہ غلغلہ اسقدر بلند ہوا کہ اگر نواب صاحب بہادر علیل نہ ہوتے اور یہ خبر
وہاں تک پہونچی ہوتی تو محلوں میں بھی جلسے قائم ہوتے۔ خیر یار زندہ
صحبت باقی مجھکو بڑا افسوس یہ رہ گیا کہ میں ہوم سکرٹری بہادر نواب
مصطفی علی خانصاحب تک جو میرے دیرینہ مخلصانہ کرمفرما تھے اوس وقت
پہونچا جب وہ نہ تھے۔ صرف چیف سکرٹری صاحب سے سلام کی
نوبت آئی۔ ضمناً ایک امر اور بھی عرض کر دینا ضرور ہے۔ متعدد جلسوں کے
بعد جب میرا کلام اہل نظر نے ملاحظہ کر لیا تو حضرت فانی کے یہاں ٹی
پارٹی کے موقع پر صاحبزادہ تجمل حسین صاحب نے بحیثیت جانشینی کی اکثر
نے بلبل تسلیم صبر کی طرف اتفاق فرمایا بعض نے مجھکو منتخب کیا حضرت صبر

بھی تحریک کی کہ عرش ہمارے دیرینہ اوستاد بھائی ہیں یہ پگڑی عرش کے سر باندہ دی جائے۔ بعض نے کہا کہ بیشک عرش کا پایہ خدا نے از روز ازل بلند کیا ہے۔ بعض نے یہ فرمایا کہ لاریب یہ سب صحیح ہے مگر اونکا قیام رامپور میں نہیں ہوتا اور یہاں ایک شخص کی ضرورت ہے۔

اوسپر ہمارے دوست حضرت فانی وغیرہ نے یہ تحریک کی کہ عرش کا پایۂ کلام چونکہ بہت زیادہ بلند ہے جسکی عینی شہادت کو آجکل اخبار دبدبہ سکندری اور بدبہی شہادت کو وہ خود اس جلسہ میں موجود ہیں اونکا جانشین نہ بنایا جانا ظلم ہے اور ملک کی نگاہ میں خود ذلیل ہونا ہے اسلیئے ہم چند احباب کی یہ رائے ہے کہ ممالک مشرقیہ و مغربیہ کے لیئے دو جانشین تجویز کیئے جائیں اون میں سے ایک جگہ مولانا عرش کو اور ایک حضرت صبر کو دی جائے۔ اس رائے سے سب نے اتفاق کر لیا۔ اور یہ بات قرار پا گئی کہ کل یہ رسم بہ صدارت میجر جنرل بہادر جناب مہر شاہ خاں صاحب مہر اونکی کوٹھی میں ادا کر دی جائے۔ کیونکہ یہ ایک جلیل القدر رئیس اور قدر دان تسلیم ہیں۔

اسپر میں نے اپنی یہ ناچیز رائے پیش کی۔ کہ اول تو میں بغرض تعزیت اوستاد آیا ہوں نہ بخیال جانشینی جسکا میں ازل سے بوجوہ ذیل مخالف ہوں۔

نمبرا۔ کوئی شاگرد کسی اوستاد کا جانشین نہیں ہو سکتا۔ امیر و داغ و جلال کی جانشینی جو کی گئی ہے ہرگز قابل تسلیم نہیں۔ اور غرض جانشینی کی یہ ہے کہ جمہور کے ساتھ دیگر تلامذہ اوستاد بھی اوس سے اسی طرح اتفاق فرمائیں کہ اگر اونکو کسی معاملہ میں شبہ ہو تو جانشین سے دریافت کریں اور اوسکو فتوے اور اصلاح کو عین شہادت اوستاد جانیں۔

نمبر۲۔ دیکھنا چاہیئے کہ جانشینان امیر و داغ و جلال کو ملک نے یا کم سے کم

اونکے اوستاد بھائیوں نے بھی جانشین تسلیم کرلیا یا آپس مین اور ایک نفاق کی صورت پیدا ہو کر رہ گئی۔

نمبر ۳۔ آیا اوستاد تسلیم کی آبرو جو لکھنؤ ملک مین ہوئی وہ کسی عطیہ خطاب جناب تسلیم کی بدولت یا رسم دستار بندی و جانشینی کے لحاظ سے ہی میرے خیال مین اونکے مشق سخن اور اونکے کلام نے اونکو ممتاز کیا تھا اور یہانتک کہ شاگرد اول تسلیم جناب اشرف کو جنکے مداح خود جناب مرحوم تھے جو شبہے ہوا کرتے تھے جناب تسلیم سے پوچھتے تھے یہان تک کہ مرحوم اشرف علی صاحب کے دواوین محض باین سبب نہ چھپے کہ از راہ خلوص برادرانہ اونکا اصرار رہا کہ تسلیم تو انکو ایک نظر دیکھ لیے مگر اوستاد کو اول تو یہ گوارا نہ ہوا دوسرے خود مشق سخن سے فرصت نہ تھی۔

نمبر ۴۔ اگر خواہ نخواہ کسی کے سر یہ بھاری پگڑی فنا و اثر رکھ ہی دی جائے تو ہمارے ہیسالی چراغ خاندان مولانا حسرت صاحب کا کیا خیال ہوگا۔ اور ملک کیا کہیگا کہ حسرت جس طرز کلام کا پایہ مومن مرحوم کے آب و رنگ سے ملتا جلتا ہوا ہے اوسکی کسی نے خبر بھی نہ لی۔

ان ساری دلیلوں پر بھی اہل بلا سپور مطابق رنگ زمانہ قایل نہوئے اور چند تلامذہ تسلیم نے فرمایا کہ وہ علیگڑھی انگریزی شاعر ہے اوسکا کیا ذکر اسپر مین نے مولانا حسرت کے چند شعر پڑھے اور کہا کہ اگر کسیکا مذاق تسلیم اس رنگ تک پہونچ گیا ہو تو وہ اپنا کلام پیش کرے کہ مجھکو تقابل کا موقع ملے۔ مگر کوئی مقابلہ میں نہ آیا اور جناب نشتر و بلبل تسلیم شاگردان حضرت تسلیم کی تحریک سے منیجر جنرل بہادر کے یہاں آخر وہ معرکتہ الآرا صحبت قایم ہو کر رہی۔ مین نے نگت اکبر صاحب سے یہ کہا کہ جب یہی ہے تو چند اڈیٹران اخبار کی شرکت کرائیے تاکہ وہ امر حق کو اپنے اڈیٹوریل کالم مین جگہ دیں۔ واقعہ اصلی ملک مین روشن ہو۔ اس سے بارے انہون نے

اتفاق کیا مگر میں نے اپنی ذاتی محبت سے اڈیٹر صاحب دبدبۂ اسکندری
اور حضرت امانت لکھنوی - اور علامۂ عصر مولانا ہدایت رسول صاحب[ف]
مدظلہ کو جنکی عالم میں دہوم ہے اسمیں شریک کرلیا - نہایت افسوس
ہوا کہ ہمارے جدید دوست حضرت تپش اڈیٹر صاحب نیرنگ مجکو نہ ملے ورنہ
انکو بھی کھینچتا - اب سنیے کہ یہ صحبت بڑی دہوم دہام کی ہوئی - اسکی صدارت
مینیجر جنرل بہادر نے کی - اس میں حضرت آبر تلمیذ رشید امیر مینائی مرحوم
حضرت فائق - حضرت ضمیر - حضرت نشتر - جناب محمود شاگرد داغ -
جناب جاوید یادگار جلال - جناب بزم یادگار منیر مرحوم شاعر دربار
رامپور - اور بہیترے عمائدین اور شعرا تشریف رکھتے تھے مینیجر جنرل صاحب
بہادر نے نہایت گرم جوشی سے خاکسار کو اپنے بغل میں جگہ دی اور
میرے بغل میں اوستاد تسلیم کا بلبل - بلبل تسلیم نغمہ زن تھا - صاحبزادہ
تجمل حسین صاحب بھی جلوہ فرما تھے - غرض کس کس کو لکھوں - مینیجر
جنرل صاحب خود ماہر فن اور شاعر کہنہ مشق ہیں مہر تخلص ہے - ان
سارے شعرا کے کلام بلاغت نظام کی تعریف نہیں ہوسکتی ہے - مگر
اس میں نتیجہ معنی خیز تہا تو یہ کہ بجز حضرت نشتر محرک جانشینی کے
اور کوئی شاگرد جناب تسلیم نہ تہا ہرچند کہ بڑے زور شور سے اسکا
خاص اعلان کیا گیا تہا کہ آج جو کوئی جہاں کہیں چھپا ہو سامنے
آجائے - مگر کسیکا پتہ بہی نہ ہوا - آخر بعد اختتام صحبت کوئی ذکر جانشینی کا
نہ آیا - اور دیکہا کہ ضمیر صاحب اور نشتر صاحب وغیرہ میں کچھہ سرگوشیاں
ہورہی ہیں تب میں نے پوچھا تو کہا گیا کہ آپ کی دلیل قوی ہے سب نے
اتفاق کیا مینیجر صاحب بہادر نے بہی کہا کہ عرش کی یہ رائے ٹہیک ہے کہ ضرورت

[ف] تعظیم کی آنکھوں میں جب سرمہ لگایا جائے گا * ہم تمہیں سے پوچھتے ہیں تم سے دیکھا جائیگا
فافہم

اعلان جانشینی نہیں ہے جسکا جو مرتبہ ہے وہ ظاہر ہو گیا۔ اب یہ بحث بیکار ہے اسپر میں نے اپنے بلبل تسلیم کو مبارکباد دی اور کہا کہ شکر خدا کہ ہمارے خاندان سے یہ پُر آشوب بحث دور ہو گئی۔ اب ملک خود فیصلہ کر دیگا۔ اسپر نبیجہ جنرل صاحب نے حضرت صبر سے پوچھا کہ کیا قصد ہے صبر صاحب نے تشریح کی اور کہا کہ ہمارے بڑے بھائی مولانا عرش اس موقع پر آ گئے ہیں ہملوگوں کی یہ رائے ہے کہ اوستاد کی پگڑی آپ کے سر باندہ دی جائے۔ جنرل صاحب نے فرمایا کہ واقعی یہ اس لائق ہیں۔ مگر چونکہ اس بحث کو میں ختم کر چکا تھا اور اندرونی طور پر اسکے محرک حضرات نے خدا جانے کیا سمجھکر یہ فیصلہ کر لیا تہا کہ خاموشی مناسب ہے اسلیئے یہ مسئلہ ناتمام سا رہ گیا میرے چلے آنے کے بعد کیا ہوا خبر نہیں ہے

اب میں اس گلشن سخن کے منتخب پہولونکا گلدستہ سجا کر ملک کے آگے پیش کرتا ہوں جسکو دوران صحبت میں میں نے بصورت گلچیں باغِ سخن سے چن چن کر اپنے دامن میں رکھ لیا تھا۔

حاجی اسمٰعیل خانصاحب صبر۔ المخاطب بہ بلبل تسلیم۔ جوان طباع عمر تقریباً پینتیس سال کی ہوگی ضروریات فن سے واقف۔ جمیع اقسام نظم میں دخل رکھتے ہیں۔ زمانہ آخر میں اوستاد مرحوم کی بہت خدمت کی اور بقول اونکے بتحریک مولانا ظہیر الدین حسین ظہیر دہلوی مرحوم یادگار ذوق اوستاد تسلیم سے خطاب بلبل تسلیم پایا۔ سعادت آپکا حصہ ہے۔ یہ دو تین شعر آپکے مجھے بہت پسند آئے۔

صبر

شمع بھی اسیطرح عمر بسر کرتی ہے ؎ رات بھر جلتی ہے رو رو کے سحر کرتی ہے

ولہ

دھجیاں تیری اوڑاؤنگا میں اے دستِ جنوں ؎ آج بھی چاک اگر دامن صحرا نہوا

اس باغِ جہاں میں صفت برگِ حنا ہوں ؎ لایا ہوں اسو از رنگ جہاں میں پیسا ہوں

محمد اکبر نشتر تلمیذ حضرت تسلیم۔ جوان شوخ طبع۔ عمر تقریباً تیس سال۔ کہنا اور پڑھنا دونوں بہت خوب ہے۔ اکثر شرفیاب خدمت رہا کرتے تھے۔ اوستاد سے انکی بڑی بے تکلفی اور محبت تھی ایک مرتبہ اوستاد سے کہا کہ حضرت آپ کو دم آخر لکھنؤ نہ جانے دینگے یہیں دفن کرینگے اوستاد نے فرمایا۔ ضرور ضرور ایسا ہی ہو میری تو دلی آرزو ہے کہ میری قبر یہیں ہو اور وہاں میرا سالانہ عرس ہوا کرے اوس کے ضمن میں مشاعرہ بھی ہو اور چھوٹے چھوٹے بچے ہمارے مزار کے گرد پھرتے ہوئے اشعار پڑھا کریں۔ انکے یہ شعر مجھکو بہت مرغوب ہوئے خدا سلامت رکھے یہ غزل انکی غزل مرصع ہے مضطر کے جواب میں کہی ہے۔ یہ وہ مضطر خیرآبادی ہیں جو اب اپنے اوستاد امیر مینائی سے پھر گئے ہیں۔ مضطر کا یہ مطلع بھی مجھے نہیں بھولتا۔

مضطر

لڑائی ہی تو اچھا رات بھر یونہیں بسر کر لو ÷ ہم اپنا منہ ادھر کر لیں تم اپنا منہ ادھر کر لو

نشتر

بلبل نے اڑکے جیسے سر اپنا پھوڑ ڈالے ÷ گلچیں نے پھول انسو چن چن کے توڑ ڈالے
محشر میں دیکھ لینا دوزخ کو پانی پانی ÷ تر دامنوں نے دامن جسدم نچوڑ ڈالے
کیا کیا بنے ہیں گوہر کیا کیا بگڑ گئے ہیں ÷ گیسو بہانے اوسنے جسدم نچوڑ ڈالے
کچھ انقلاب ایسا عہد شباب لایا ÷ بچپن کے عہد اوسنے گن گن کے توڑ ڈالے
مٹی کے پتلے اوسنے روز ازل سے ابتک ÷ کیا کیا نہیں بنائے کیا کیا نہ توڑ ڈالے
پھل نخل عاشقی کا پایا ہی کسنے نشتر
سر سینکڑوں نے در پہ اوس کے توڑ ڈالے

مولوی عتیق الرحمٰن کلیم۔ شاگرد تسلیم۔ جوان متین و سنجیدہ ہیں عمر پچیس سال ہے استعداد علمی نہایت معقول عربی و فارسی میں کامل اوستاد تسلیم کے جدید تلامذہ میں اسقدر ممتاز کہ اوستاد نے اپنے غیر مطبوعہ

چوتھے دیوان کی متعلق غزلیں انکو یکجا اور صاف کرنے کے لیئے دی تہیں اور اونہیں کے پاس ہنوز موجود ہیں - بہت خوب فرماتے ہیں ایک مطلع اور ایک شعر انکا یاد رہ گیا ہی -

کلام

بس مردن بھی اسد رحجہ خیال یار باقی ہی ÷ کھلی ہیں اپنی آنکھیں حسرت دیدار باقی ہی
ہماری نیستی ہستی ہمارے ساتھ ہی ہر دم ÷ حباب بحر کیصورت فنا بھی ہی بقا بھی ہی

منشی گنگا پرشاد شیدا - عمر بائیس سال طبیعت بہت رواں - پڑھنے کا ڈھنگ بہت اچھا - اوستاد تسلیم کے اون تلامذہ میں ہیں جہاں اکثر شام کو آپ جا کر بیٹھا کرتے تھے - علم مطابق ضرورت - یہ کلام ہی -

گروہ بحر حسن بال اپنے نچوڑے وقت غسل ÷ قطرہ قطرہ عکس جسم صاف سے گوہر بنے
وہ خراباتی ہوں ساقی کیا تعجب بعد مرگ ÷ میری مٹی سے خم بادہ بنے ساغر بنے
نازکی سے بار ہی باد صبا بھی دوش پر ÷ باغباں حیران ہی کس پھول کا زیور بنے

محمد علی خاں نکہت شاگرد تسلیم - نوجوان کم سخن و مہذب - عمر بائیس سال نہایت متین ہتے ہیں - یہ کلام ہے - مشق انکی جاری نہیں فصلی شاعر مشاعروں کے کہنے والے ہیں -

نکہت

مکان یار کی ڈھونڈ لیتی آہ کیسی ہیں ÷ جو کیسو نچے قبر تک پہر بھی رکھی پہلی ہی منزل پر
خیال زلف میں مشکل ہوئی فریاد بھی مجکو ÷ کہ پائے نالۂ دل سخت الجھا ہی سلاسل میں
نہیں گور و کفن تک بھی میسر وائے بربادی ÷ پڑے ہیں خاک پر لاشے ہزاروں کوئی قاتل میں

مولوی شمس الحق صاحب خیال وکیل ریاست رامپور شاگرد تسلیم - عمر شریف آپ کی پینتیس ۳۵ سال کی ہوگی - دیرینہ تلامذہ میں ہیں مشق بہت اچھی ہے - گلدستہ منتخب شہر کلاوٹھی کے ایڈیٹر تھے میرے دیرینہ واقف کار نکلے - صاحب خلق و کرم ہیں - استعداد بہت ہی زبردست رکھتے ہیں یہ کلام ہے

جب رخ سے ترے نقاب سرکی ÷ آنکھیں روشن ہوئیں نظر کی
وہ شمع تری مثال شبنم ÷ رو رو کے تمام شب بسر کی

کیوں شمع کو تم جلا رہے ہو ٭ مہماں ہے غریب رات بھر کی
دم بھرتے ہو میری دوستی کا ٭ یہ آج ہوا چلی کدھر کی

حضرت فانی کے یہاں چھوٹی پارٹی کی صحبت ہوئی تھی اوسی میں یہ غزل حضرت خیال نے پڑہی تھی۔ شمع والا شعر عین اوسی وقت پڑھا تھا جب شمع محفل ہوا کے جھوکے سے بجھ گئی تھی اور جلانے کی کوشش کیجاتی تھی۔ ان اصحاب سے ملنے کے بعد مجھکو یہ فتوے دینا پڑا کہ ؎

شیدا و کلیم و صبر و شرر ٭ تسلیم کے ہیں یہ چار خنجر

اسپر لوگ بھڑک اوٹھے۔ تلامذہ تسلیم کا جو ذکر حیات اوستاد میں کیا گیا وہ ذاتی مشاہدہ کی نظر سے نہ تہا بلکہ دور دور کی تحقیقات اسکا ذریعہ تہی۔ منشی حبیب صاحب حبیب شاگرد تسلیم منشی قدرت علی خاں قدرت شاگرد تسلیم یہ لوگ وصلی شعرا ہیں یہی شعر انکا یاد نہیں رہا۔ علاوہ انکے شرار و شاگرد دوسرے طبقے کے رامپور میں موجود ہیں مگر وہی غنائی غزلوں سے پڑھنے والے جناب صادق دہلوی یادگار شہزادہ جناب مرحوم دہلوی بہی ملے تھے جنہوں نے تسلیم پر بیجا حملوں کی معافی چاہی تھی۔ اب میں اپنے اون احباب کا کلام پیش کرتا ہوں جنسے ناظرین کو غایت فرحت ہوگی۔ یہ حضرات پہلی ان صحبتوں میں برابر رہا کرتے تھے کمال افسوس ہے کہ طالب و محمود یادگار داغ کا کلام یاد نہ رہا۔ محمود خاں صاحب محمود کا پڑھنا تو ایسا تھا کہ جناب داغ مرحوم کے پڑھنے کا دہوکا ہوتا تھا۔ خدا مغفرت کرے داغ کا ایک تذکرہ یاد آگیا۔

ایک صاحب فرماتے تھے کہ نواب کلب علی خاں صاحب کا عہد تہا۔ بخیر تغلق۔ امیر۔ منیر وغیرہ موجود تھے جب داغ صاحب پڑہنے کی نوبت آئی تو مشاعرہ کو سکتہ ہوگیا اوس مشاعرہ میں منیر اپنی بے مثل غزل پڑھ چکے تھے۔ مگر وہ عام فہم شعر یاں کہاں تھے داد و بیداد نہ ملی۔ داغ کی واہ واہ

مرحوم منیر پر یہ گراں گذری مشاعرہ سے باہر آکر داغ کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا کیوں میاں داغ کیا تمہاری غزل مجھسے بھی زیادہ پسند رہی داغ نے کہا ہرگز نہیں میری کیا طاقت کہ آپ کے سامنے زبان کھولوں مگر حضرت قبول خاطر و حسن سخن خدا داد است" درمیان میں چند صاحب یہ گفتگو کرتے نظر آئے کہ بھائی غزلیں تو سب نے پڑھیں مگر جب زاغ بیابانی نے اپنا منہ نکالا تو پھر سارے عندلیب اپنا نغمہ بھول گئے داغ کو وہ داد ملی کہ اللہ اللہ خود نواب صاحب بہادر لوٹ لوٹ گئے۔ داغ نے منشی اسمٰعیل حسین منیر یادگار ناسخ سے کہا حضرت اب اس مقبولیت کو کیا کہیے۔ منیر مرحوم چپ ہو گئے۔

کلام فانی۔ جناب مولانا نذر حسین صاحب وکیل دربار رامپور۔ عمر شریف تقریباً پچاس سال۔ کسی کے شاگرد نہیں ہیں صرف استاد تسلیم کے معتقد تھے۔ سارے اساتذہ سلف کے رنگ کے دلدادہ ہیں علم فاضلانہ رکھتے ہیں پڑھتے بھی بہت خوب ہیں۔ دو دیوان اردو اور ایک فارسی کے مصنف ہیں ہزل بھی خوب کہتے ہیں عوام رامپور صرف انکو ہزل گو جانتے ہیں مگر یہ پرانا البتہ اسوقت تھا جسوقت میری آپ کی ملاقات ہوئی خدا انکی عمر میں برکت دے صادق الوداد دوست ہیں۔ یہ کلام ہے

بتاؤ تو یہ بات کیونکر مرا طرز فغاں سمجھیں ؛ نہ میں انکی زباں سمجھوں نہ میری زباں سمجھیں
سینے میں درد پا کر دل کا چراغ آیا ؛ فوراً چراغ لیکر بیچارہ داغ آیا
وہ منہ پوچھے بات جسپر آ گئے دل ؛ اس ستم پر کیوں نہ بیٹھا جائے دل
صبح کو جو غنچہ کا ناز کرتی تھی صبا ؛ شام کو ابتر پڑا ہے سب ہی سامان گل

حضرت فانی نے کیا شعر کہا ہے واللہ لوٹ لیا

عنوان ہزل گوئی

لکھنؤ کو شاعری جاتی تھی دلی لے گئی ؛ چوہا و ڈرا کان کو سند میں بلی مل گئی
ہے اکھاڑہ حسن کا ہندوستان اب کیجیے ؛ لکھنؤ کی بیبیاں ہیں یا کہ دلی والیاں

یہ دونوں شعر مرحوم امیر مینائی کے مطلع کے جواب میں ہیں ؎

دعوئے زبان کا لکھنؤ والوں کے سامنے ٭ اظہار بوئے مشک غزالوں کے سامنے

کلام ابر — جناب منشی واحد علی صاحب ابر نایب میر منشی ریاست شاگرد رشید امیر مینائی — عمر شریف تقریباً پچپن سال — جمیع اقسام نظم و علوم و فنون میں لایق و فایق و کامل ہیں — خوش خلقی آپکا حصہ ہے ہر رنگ میں شعر کہتے ہیں مذاق حال آپ کا اسقدر درست کہ سبحان اللہ رامپور میں آپ کے کلام کے سمجھنے والے مخصوص چند لوگ ہونگے — یہ دو مطلع یاد ہیں —

دم دیا ہے موت کو آرام پانے کے لیے ٭ ہم نے آنکھیں بند کی ہیں نیند آنے کے لیے

لطف کنار مادری کچھ جو ملا فشار میں ٭ آتے ہی پڑ کے سو گئے چین سے ہم مزار میں

کاظم تلمیذ حضرت محسن کاکوروی — یہ بزرگ نعت گو ہیں عمر ساٹھ سال کی ہوگی — ایک شعر آپکا یاد ہے —

مخلوق تنگ ہو رہی ہے شفیع الامم کا منہ ٭ دیکھیں حضور داور محشر سے کیا کہیں

سبحان اللہ سبحان اللہ یہ نعت شریف ہے —

بزم یادگار منیر مرحوم شاعر دربار رامپور — عمر تقریباً اڑتیس سال — بہت خوب فرماتے ہیں اور بے تعصب اور بے تکلف شاعر ہیں — رنگ منیر سے آپکا کلام الگ ہے —

بزم

ہم اپنی جان سی شئے دیکے یہ احسان لیتے ہیں ٭ کہیں تجھ سے بکتے ہوئے ارمان لیتے ہیں

مجھکو بڑا صدمہ ہے کہ اس سفر میں ہمارے ساتھ چند ہمنشیں اور معتقد نہ تھے مثلاً جناب محمد حسن خانصاحب برق فرنگی محلی لکھنوی — جناب منشی حافظ ولایت اللہ ابر شاہجہانپوری — جناب منشی مظہر حسین خورشید دربھنگوی — اگر یہ لوگ ہوتے تو ان جلسوں کے مزے اٹھاتے — دعا ہے کہ خدا انکی عمر میں ترقی عطا فرمائے — اور کسی آیندہ سفر کی بہار دیکھنا نصیب ہو — اب میں اس صحبت کو مرثیہ و تواریخ

اوستاد مرحوم پر تمام کرتا ہوں ۔ جو سر دست تیار ہیں اور دوران سفر میں کہی گئی ہیں تلمیذی جناب ابر سلمہ اللہ تعالے شاہجہانپوری نے بھی اوستاد مرحوم کی تاریخ مرگ بہت خوب کہی ہے

چوں بسے تسلیم شاگرد نسیم ٭ رونق باغ سخن باقی نماند
از سر افسوس قطعی سال گفت ٭ آں قدح بشکست و آں ساقی نماند

ماتم تسلیم

آہ اے بلبل گلزار سخن تیرے بغیر ٭ نوحہ خواں آج ہی ہر مرغ گلستاں ہی ہی
نہ دوں شبنم کو کس سنبل کی پریشانی کو ٭ گل بھی آتے ہیں نظر چاک گریباں ہی ہی
کیوں نہ دوں موت کو تیری میں غم انس نسبت ٭ خاک اڑاتی ہی صبا باغ ہے ویراں ہی ہی
لو دوبارہ ہوئی پھر موت نسیم و مومن ٭ روئیں اس غم میں نہ کیوں سارے سخنداں ہی ہی
اک تیری ذات سے روشن تھی یہ اک بزم سخن ٭ رہ گئی بجھ کے تو اب شمع شبستاں ہی ہی
لکھنؤ ایک طرف تجھ سے تھا دلی کو فخر ٭ کیوں نہ یہ غم ہو ہر اک کے لیے یکساں ہی ہی
آپ اے حضرت تسلیم ذرا چلتے وقت ٭ نہ ہوئے خادم دیرینہ کے پرساں ہی ہی
میں تھا از روز ازل عاشق و شیدائے کمال ٭ شمع ساں کیوں نہ لحد پہ ہوں میں گریاں ہی ہی
اب تو دیوان کا چھپنا ہی میرے خواب و خیال ٭ اک دل خستہ تھا وہ بھی ہی پریشاں ہی ہی
میرے آنے کی خبر سن کے کہاں چھپ گئے آپ ٭ سر بسر خاک بسر اور ہوں حیراں ہی ہی
شب ہے تاریک سفر طول ہے منزل دشوار ٭ کس طرف تو ہی چراغ مہ تاباں ہے ہی
رامپور۔ آج بلا کر یہ غضب داغ دیا ٭ جز ترے کون یہاں میرا تھا پرساں ہی ہی
کس ضرورت کو یہاں آیا۔ ہوا کیا درپیش ٭ کیوں اے اہل وطن عرش ہو نالاں ہی ہی
تھا جو منظور اجل کو کہ جدائی ہوتی ٭ وقت تو دیکھ کے کمبخت یہ آئی ہوتی

ولہ تاریخ انتقال حضرت تسلیم جنت مقیم

ہوا انتقال آج تسلیم کا ٭ زمانہ میں تھی مغتنم اونکی ذات
ہر اک علم میں خوش نویسی یکی تھی ٭ تھے استاد فن اور عالی صفات

وظائف سے ہر وقت مملو زباں
نصیحت سے خالی نہ تھی کوئی بات

گئے آنکھیں بیمار نے جو لکھنو
یہی بات تھی ایک وجہ ممات

ہوئے عمر کے ایکسو تین سال
زمانہ نظر میں ہوا بے ثبات

غضب بست و ہشتم مئی کی تھی شام
بنی گور کی اونکی وہ پچھلی رات

سن عیسوی میں کہا عرش نے
چراغ بہشت ہے اونکا سال وفات

ولہ دیگر

انتقال حضرت تسلیم سے
آہ لطف شاعری جاتا رہا

مصرع منقوط لکھدو عرش تم
لو چراغ بزم شعرا اب بجھ گیا

ولہ در صنعت تعمیہ - از نتائج خاکسار عرش

اٹھ گئے علامہ تسلیم آج
انکو جنت میں جگہ دے ایخدا

متقی و شاعر و صاحب ہنر
پاک باطن - نیک خصلت پارسا

اونکو رونیکے لیئے میری طرح
ابر غم ہے ہر طرف چھایا ہوا

سال رحلت کی نکر تشویش و فکر
کچھ نہیں ہے اسمیں موقع غور کا

از سر بزم سخن اے عرش کہ
ہائے لطف شاعری جاتا رہا

قطعہ تاریخ وفات یادگار تسلیم مرحوم حضرت تسلیم لکھنوی نور اللہ مرقدہ

نتیجہ فکر حضرت صفدر مرزا پوری

(ماخوذ از اردوئے معلی علیگڑھ)

تسلیم کے فراق کا صدمہ ہے کیسے نہیں
تربت پہ آکے کون نہیں نوحہ گر ہوا

چادر چڑھائی پھولوں کی رو کر نسیم نے
حسرت کے ساتھ ابر سیہ چشم تر ہوا

بیچین ہو گئے بلبل تسلیم صبر تھی
بیٹھا جو دل کو تھام کے ٹکڑے جگر ہوا

اردو ہے شکوہ سنج کہ میں آج لٹ گئی
کہتی ہے شاعری میرا ویران گھر ہوا

تاریخ انتقال کی صفدر نے یہ لکھی
ہے ہے کہ زباں کا خاتمہ تسلیم پہ ہوا

تقریظ جناب مولوی محمد احسن اللہ خاں صاحب ثاقب مدیر قند پارسی علی گڑھ

سوانح حضرت تسلیم مرحوم کا مجموعہ میرے دوست جناب سید فضل الحسن صاحب حسرت موہانی نے مجھے دکھایا جناب عرش گیاوی جو حضرت تسلیم کے شاگرد ہیں اس کتاب کے مؤلف ہیں میں نے سرسری نظر سے اس نسخے کو جابجا سے دیکھا کتاب دلچسپ ہے اور کہیں کہیں لٹریچر کے لطف سے بھی خالی نہیں ہے۔

ملک کو ضرورت ہے کہ اساتذہ اردو کے مکمل سوانح مرتب ہوں اور اس لحاظ سے جناب عرش کی یہ کوشش کہ انہوں نے ایک اوستاد کے حالات جمع فرمائے قابل تحسین ہے۔

اس کتاب میں بعض خاص تلامذہ حضرت تسلیم کا کلام بھی جناب عرش نے تحریر کیا ہے اور اوس مقام پر جناب حسرت موہانی کے اشعار دیے ہیں چونکہ تعداد میں کم ہیں اسلیے چند شعر جو موصوف کے مجھے پسند آئے ہیں وہ درج کرتا ہوں۔

مٹ رہی ہیں دل سے یادیں روزگار عیش کی / اب نظر کاہے کو آئیں گی یہ تصویریں کہیں
حسن بے پروا کو مغرور و خود آرا کر دیا / کیا کیا میں نے کہ اظہار تمنا کر دیا
بڑھ گئیں تم سے تو ملکر اور بھی بیتابیاں / ہم یہ سمجھے تھے کہ اب دل کو شکیبا کر دیا
عشق سے تیرے بڑھے کیا کیا دلوں کے مرتبے / مہر ذروں کو کیا قطروں کو دریا کر دیا
رنگ سوتے میں چمکتا ہے طرحداری کا / طرفہ عالم ہے ترے حسن کی بیداری کا
ہو چکی اب ہم گرفتاران غربت کو نصیب / آہ وہ خوشبو کہ تھی پروردۂ گیسوے دوست
دلوں کو فکر دو عالم سے کر دیا آزاد / ترے جنوں کا خدا سلسلہ دراز کرے
پیرہن اپنے جو پھولوں میں بسا رکھا ہے / شوق کو اور بھی دیوانہ بنا رکھا ہے
برسات کے آتے ہی توبہ نہ رہی باقی / بادل جو نظر آئے بدلی مری نیت بھی
گر جوش آرزو کی ہیں کیفیتیں یہی / میں بھول جاؤں گا کہ مرا مدعا ہے کیا
اے قصر امارت کی ویرانی و بربادی / کس گوشۂ عبرت میں سوتا ہے مکیں تیرا
اس درجہ دلپذیر ہے آہنگ نغمہ کیوں / پنہاں لباس درد میں تیری صدا ہے کیا
ظلم عصیاں سے مٹا حسرت نہ داغ عشق یار / اور یہ کیا تھا اگر اوسکی خطاپوشی نہ تھی

رسالہ اُردوئے معلیٰ علیگڈھ

کاغذ ولایتی سفید لکھائی چھپائی پسندیدہ حجم ۴۸ صفحے ماہوار قیمت سالانہ ۳؎
مع محصول صرف ۱۲؎ نمونے کے تین متفرق پرچوں کا مجموعہ ۸؎
مع محصول ڈاک خرچ ویلو میں روانہ کیا جاتا ہے۔ مقاصد
لٹریچر اور پالٹکس درخواست خریداری بنام سید فضل الحسن حسرت
موہانی بی اے ایڈیٹر اردوئے معلیٰ علی گڑھ۔
(نوٹ) اُردوئے معلیٰ کے ساتھ بطور ضمیمہ ہر ماہ اساتذہ قدیم
وجدید کے دواوین سے ایک کا انتخاب شائع ہوتا ہے رسالہ
کی قیمت مع دواوین ۴؎ سالانہ مع محصول ہے
(نوٹ) دس یا بیس روپیہ یکمشت دیکر ہر شخص اُردوئے معلیٰ یا
اردوئے معلیٰ مع ضمیمہ کا دوامی خریدار بن سکتا ہے۔

قیمت فی جلد مع محصول ڈاک خرچ ویلو صرف
مجموعہ ار
۴؎

مثنوی سراپا سوز قاضی محمد صادق خاں اختر و مثنوی اسرار
محبت نواب محبت خاں محبت و طلعیۃ الشمس سید آغا
علی شمس لکھنوی مع مختصر حالات اختر و محبت و شمس
مرتبہ حسرت موہانی بی اے ایڈیٹر اردوئے معلیٰ علی گڑھ

اُردوئے معلیٰ جلد دہم و یازدہم

یعنی اکتوبر ۱۹۰۹ء سے دسمبر ۱۹۱۰ء تک کے پندرہ پرچے نکا
نہایت دلچسپ قابل دید مجموعہ ہے۔ صرف چند جلدیں باقی
ہیں جلد طلب کیجیے ورنہ پھر انکا ملنا مشکل ہو گا۔ ۱۲؎

المشتہر رسالہ اُردوئے معلیٰ علی گڑھ سٹی

خدا شناس

دیوان غالب
مع شرح
از سید فضل الحسن حسرت موہانی بی اے
ایڈیٹر
اردوئے معلیٰ علی گڑھ

جسکی خوبی کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ تھوڑے سے ہی
دن میں اسکے دو ایڈیشن چھپکر فروخت ہو گئے اور اب یہ
تیسرا ایڈیشن عمدہ سفید کاغذ پر خوشخط و صحیح چھپکر آخر ماہ جولائی
تک تیار ہو جائے گا درخواست خریداری بہت جلد
بنام مینیجر اردوئے معلیٰ آجانا چاہیئے فہرست مضامین (۱) دیباچہ (۲)
مقدمہ (الف) غالب کے حالات (ب) غالب کی شاعری (۳)
دیوان مع شرح (۴) ضمیمہ یعنی وہ غزلیں اور اشعار جو
اب تک مطبوعہ دیوان غالب میں موجود نہ تھے۔
(نوٹ) آخر ماہ اگست تک درخواست کرنے والوں سے
محصول ڈاک اور خرچ ویلو نہیں لیا جاویگا۔

انتخاب اردوئے معلیٰ

یعنی اُردوئے معلیٰ کی گزشتہ پانچ سال کی دس
جلدوں کے بہترین مضامین نظم و نثر کا انتخاب جسکی نسبت
دعوے کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ ایسا دلچسپ
مجموعہ کسی دوسری جگہ نہیں مل سکتا قیمت ... ۱۲؎

دیوان مصحفی مرتبہ حسرت موہانی ۸؎ مع محصول ڈاک
دیوان قائم چاندپوری مرتبہ حسرت موہانی ۴؎ " " "
دیوان میر سوز مع مقدمہ حسرت موہانی ۳؎ " " "
دیوان حسرت اسناد جہات " " ۱۲؎ " " "
دیوان شیفتہ دہلوی " " ۸؎ " " "
دیوان مہر حسین صاحب مثنوی " " ۸؎ " "

المشتہر رسالہ اردوئے معلیٰ علی گڑھ سٹی

DUE DATE